سلسلہ اشاعت نمبر ۶

عقائدِ اہلِ سنت

از

امام ربانی مجدد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ

ترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ نور آباد فتح گڑھ

سیالکوٹ فون ۵۵۷۳۲۷

سلسلہ اشاعت نمبر ۶

عقائدِ اہلِ سنت

از

امامِ ربانی مجددِ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

شعبہ نشرواشاعت

مدينة العلم جامعه مجدديه

نور آباد۔ فتح گڑھ۔ سیالکوٹ

فون: ۵۵۷۳۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

ابتدائیہ

دینِ اسلام کے عظیم مبلغ اور سید المرسلین ﷺ کی سنت و شریعت کو زندہ کرنے والے مجددِ اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز کی تصنیفات قرآن و سنت کی بالکل صحیح ترجمان ہیں۔ علمائے اسلام آپ کی بزرگی، ولایت اور مجددیت کی شہادت صدیوں سے دے رہے ہیں۔ آپ کی تعلیمات روشنی کا مینار ہیں جس طرح آج سے چار سو سال پہلے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پاک و ہند کو نورِ حق سے منور کیا۔ اور کفر و گمراہی کا قلع قمع کر دیا۔ خدا کرے کہ اب بھی ہم ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی منزلِ مقصود کو پالیں۔ آپ کے مکتوبات میں سے صرف دو خط شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ان خطوں میں آپ نے عقائدِ اہل سنت مختصراً بیان فرمائے ہیں۔ چونکہ تمام اعمال کی بنیاد ایمان و عقائد ہیں لہذا اصلاحِ احوال کے لئے اسی موضوع سے آپ کی تعلیمات کو عام کرنے کی ابتدا کی جا رہی ہے۔ رب کریم قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

حافظ محمد اشرف مجددی

سرپرست

مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ

نور آباد سیالکوٹ

۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

Marfat.com

مکتوب ۲۶۶

دو صد و شصت و ششم

حضرات پیرزادگان خواجہ عبداللہ[1] و خواجہ عبید اللہ[2] کی طرف صادر فرمایا ——— بعض عقائد کلامیہ کے بیان میں جو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اور جو آپ کو الہام اور فراست کی بنا پر حاصل ہوئے نہ کہ تقلید و تخمین (گمان) کے مطابق۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "تم علمِ کلام کے مجتہدوں میں سے ہو۔" اور اس واقعہ کو آپ نے حضرت خواجہ (باقی باللہ) کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اسی روز سے حضرت والا (مجدد الف ثانیؒ) کی مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلہ میں علیحدہ رائے اور

---

[1] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں دفتر اول میں صرف یہی ایک مکتوب ہے جو دونوں بھائیوں کے نام ہے اور عقائد کے بیان میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے "مالابد منہ" میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں اور شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "یہ مکتوب علمِ عقائد میں فائدہ کثیر رکھتا ہے۔" بقیہ چھ مکتوبات یہ ہیں دفتر دوم مکتوب ۲۳۔ ۳۵۔ ۵۹۔ دفتر سوم مکتوب ۵۶۔ ۹۰۔ ۱۰۷۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں ۹ رجب ۱۰۱۰ھ کو اپنے بھائی خواجہ عبید اللہ سے جو خواجہ باقی باللہؒ کی دوسری زوجہ سے تھے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد صاحبؒ جب حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحبؒ دونوں شیرخوار صاحبزادوں کو حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں لائے اور فرمایا کہ ان پر توجہ کرو۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے بعد خواجہ حسام الدین احمد نے دونوں صاحبزادوں کی تربیت فرمائی بعد ازاں خواجہ عبداللہ حضرت مجددؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وارداتِ کثیرہ سے بہرہ ور ہو کر خلافت پائی۔

[2] خواجہ عبداللہ حافظِ قرآن، خوشگو شاعر اور صاحبِ تصانیف تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد آپ سے بیعت تھے۔ بروز سہ شنبہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے قریب اسی قبرستان میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

جدا حکم ہے، البتہ اکثر مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں۔ اور فلاسفہ کے رد میں اور ان کی مذمت اور بُرائی کے بیان میں اور ملحدوں اور زندیقوں کے رد میں جنھوں نے صوفیہ کی مراد کو نہیں سمجھا اور گمراہ ہوگئے۔ اور بعض فقہی احکام کے بیان میں جو صلوٰۃ سے متعلق ہیں۔ اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے کمالات کے بیان میں کہ ان کا التزام سنت کی تابعداری میں ہے۔ اور سماع و سرود کے منع کرنے اور رقاصوں کی مجلس میں شرکت سے منع کرنے کے بیان میں اور ان کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ (اے رب (ہمارے) کام کو آسان کر اور مشکل میں نہ ڈال اور خیر و خوبی سے مکمل فرما) ——— حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والدِ بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے اور اس طریقہ (نقشبندیہ) میں الف ب کا سبق اُن ہی سے حاصل کیا ہے۔ اس راہ میں حروفِ ہجی بھی ان ہی سے سیکھے ہیں، اور "اندراج النہایت فی البدایت" (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) کی دولت بھی ان ہی کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوئی ہے۔ اور "سفر در وطن" کی سعادت بھی ان ہی کی خدمت کے صدقے میں ملی ہے ——— ان کی شریف توجہ نے "ڈھائی ماہ" میں اس ناقابل کو "نسبتِ نقشبندیہ" تک پہنچا دیا اور ان اکابر کا حضورِ خاص عطا فرما دیا۔ اور اس قلیل مدت میں جو تجلیات، ظہورات، انوار، الوان، بے رنگیاں اور بے کیفیتیں ان کے طفیل حاصل ہوئیں ان کی کیا شرح کروں اور کیا تفصیل بیان کروں ——— ان کی توجہ شریف کی برکت سے معارفِ توحید، اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر نہ کھولا گیا ہو، اور اس کی حقیقت کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ وحدت کا شہود کثرت میں اور کثرت کا مشاہدہ وحدت میں کرنا ان معارف کے مقدمات و مبادی میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ جس جگہ نسبتِ نقشبندیہ اور ان بزرگوں کا حضورِ خاص ہے وہاں ان معارف کو زبان پر لانا اور شہود و مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظری ہے، کیونکہ ان اکابرین کا کارخانہ بہت بلند ہے اور سرزّاق (مکار) اور رقّاص (ناچنے والا) اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت اُن (خواجہ باقی باللہؒ) سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو اگر تمام عمر بھی اپنے سر کو خدام بارگاہ عالی (کے قدموں) میں پامال کرے تو بھی کچھ حق ادا نہ ہو۔

Marfat.com

(یہ عاجز) اپنی کوتاہیاں کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ لیکن معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمدؒ کو حضرتِ حق سبحانہٗ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کم ہمتوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھانے کا التزام کر کے خدام بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمرِ ہمت کو باندھ لیا اور ہم دُور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ؎

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے — یک شکرِ وے از ہزار نتوانم کرد

(ہر بال بھی گر زباں ہو — اک شکر بھی کیا بیاں ہو)

یہ فقیر تین[۳] مرتبہ حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا، آخری مرتبہ (کی حاضری پر) فقیر سے ارشاد فرمایا کہ "مجھ پر بدن کا ضعف غالب آگیا ہے، زندگی کی امید کم ہے، بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا" ——— اور اپنے حضور میں آپ (دونوں) کو طلب فرمایا اس وقت آپ دودھ پلانے والیوں کی گود میں تھے۔ اور فقیر کو حکم دیا کہ ان (بچوں) پر توجہ کرو۔ حسب الفرمان ہی کے حضور میں اس فقیر نے آپ (دونوں) کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ اس توجہ کا اثر ظاہر میں بھی نمایاں ہوا۔ بعد ازاں فرمایا کہ "ان بچوں کی والداؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو"۔ حسب الحکم ان پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضرت ایشاں (خواجہ صاحبؒ) کی برکت سے اس توجہ کے نتائج و ثمرات حاصل ہوں گے ——— آپ ہرگز یہ تصور نہ کریں کہ ان کے واجب الاطاعت حکم اور وصیتِ لازمہ سے (کسی قسم کی) غفلت اور فراموشی واقع ہوئی ہے، ہرگز نہیں۔ بلکہ (یہ حقیر) آپ کی طرف سے اشارہ اور اجازت کا منتظر ہے۔

فی الحال چند فقرے بطریقِ نصیحت لکھے جاتے ہیں، امید ہے کہ گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیں گے، اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سعادت مند بنائے)

عقلمندوں پر سب سے اول فرض یہ ہے کہ علمائے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو فرقۂ ناجیہ ہیں ان کی صحیح رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ چنانچہ بعض مسائلِ اعتقادیہ جن میں قدرے پوشیدگی ہے ان کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عقیدہ ۱: جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کے ساتھ خود موجود ہے، اور تمام اشیاء اس تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یگانہ ہے

عقیدہ نمبر ۱ — حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات و افعال میں یگانہ ہے

Marfat.com

اور فی الحقیقت کسی امر میں بھی خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے (اس کی جناب میں) مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے ——————

اللہ سبحانہٗ کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون اور بے چگونہ ہیں۔ اور ممکنات کی صفات او افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے، مثلاً صفت العلم اُس سبحانہٗ کی ایک صفت قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں "تعدد اور تکثر" کو ہرگز دخل نہیں ہے، اگرچہ وہ تکثر تعددِ تعلقات کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ ازل و ابد کی معلومات اُسی انکشاف سے منکشف ہوتی ہیں۔ اور (حق تعالیٰ) تمام اشیاء کو ان کے "متناسبہ و متضادہ" (موافق و مخالف) احوال کے ساتھ کُلّی و جُزئی طور پر ہر ایک کے اوقاتِ مخصوصہ کے ساتھ آنِ واحد میں بسیط جانتا ہے۔ —————— یعنی اسی ایک آن میں "زید" کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنین (ماں کے پیٹ میں بھی) اور طفل، جوان اور بوڑھا بھی، زندہ اور مردہ بھی، کھڑا ہوا اور بیٹھا بھی، تکیہ لگائے ہوئے اور لیٹا ہوا بھی، ہنستا ہوا اور روتا ہوا بھی، لذت پانے والا اور تکلیف پانے والا بھی، عزت والا اور ذلیل بھی، برزخ میں بھی اور حشرات (عرصۂ قیامت) میں بھی، جنت میں بھی اور اس کی لذات و نعمتوں میں بھی جانتا ہے، لہٰذا تعددِ تعلق بھی اس مقام میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعددِ تعلقات، تعددِ اوقات اور وقت کی کثرت چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آنِ واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہے اور نہ تقدم و تاخر کے احکام جاری ہو سکتے ہیں —————— لہٰذا اس تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق کا اثبات کریں تو وہ صرف ایک تعلق ہوگا جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے (یعنی اس تعلق کی کیفیت معلوم نہیں) اور صفت العلم کی طرح بے چون و بے چگونہ ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دور اور بعید ہونے) کو ایک مثال کے ذریعے زائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں ایک "کلمہ" کو اس کے "اقسامِ متباینہ" (مختلف اقسام) اور "احوالِ متغایرہ" (متفرق احوال) اور "اعتباراتِ متضادہ" (مخالف اعتبارات) سے جانتا ہے، لہٰذا اسی ایک وقت میں اس "کلمہ" کو اسم بھی جانتا ہے اور فعل بھی، حرف بھی اور ثلاثی بھی (یعنی تین حروف والا)، رباعی (چار حروف والا) بھی اور معرب بھی (یعنی جو تینوں حالتیں رفعی نصبی اور جری قبول کرے) مبنی بھی

Marfat.com

عوامل کے ذریعے تغیر و تبدل پایا)، متمکن (ٹھہرنے والا) بھی اور غیر متمکن بھی، منصرف (وہ اسم جو تنوین قبول کرے) بھی اور غیر منصرف بھی، معرفہ (پہچانا ہوا) بھی اور نکرہ (جو نہ پہچانا جائے) بھی، ماضی بھی اور مستقبل بھی، امر بھی اور نہی بھی جانتا ہے، بلکہ اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں "کلمہ" کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے آئینے میں بیک وقت تفصیل کے ساتھ دیکھتا ہوں، جبکہ ممکن کے علم میں بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب تعالیٰ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے) کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس جگہ اگرچہ ظاہر صورت میں "جمع ضدین" ہے لیکن حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت (تضاد) مفقود ہے کیونکہ اگرچہ (حق تعالیٰ) زید کو آنِ واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سنہ ہجری کے بعد ہے اور اس کے وجود سے "عدمِ سابق" کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے، اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ لہذا حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے کوئی تضاد نہیں ہے، اور باقی احوال کو بھی اسی پر قیاس کر سکتے ہیں، پس سمجھ لو۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ تغیر پانے والی جزئیات سے متعلق ہو لیکن اس کے علم میں تغیر کا شائبہ بھی راہ نہیں پاتا اور حدوث کا گمان اس کی صفت میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ فلاسفہ نے زعم (غلط دعوی) کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اسی تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے جبکہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو، اور جب سب کو آنِ واحد میں جان لے تو پھر تغیر و حدوث کی گنجائش نہیں ہے ——— پس اس کی کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس (تعالیٰ) کے لئے متعدد تعلقات کا اثبات کریں تاکہ تغیر و حدوث ان تعلقات کے ساتھ راجع ہو، نہ کہ صفتِ علم کی طرف، جیسا کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دور کرنے کے لئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب تعدد تعلقات کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش ہے۔

اور اسی طرح ایک کلام بسیط ہے جو ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا (ناطق) ہے۔ اگر "امر" ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر "نہی" ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر اعلام (خبر) ہے تو بھی وہیں سے ماخوذ ہے اگر استفہام ہے تو وہ بھی وہیں سے، اگر تمنی یا ترجی ہے
(آرزو کرنا۔ امید رکھنا)

Marfat.com

تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے ــــــــــ تمام نازل شدہ کتابیں اور بھیجے ہوئے صحیفے اس "کلامِ بسیط" کا ایک ورق ہیں، اگر "توریت" ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے اور "انجیل" ہے تو اس نے بھی وہیں سے صورتِ لفظی حاصل کی ہے، اور اگر "زبور" ہے تو وہ بھی وہیں سے مسطور ہوئی ہے اور اگر "فرقان" ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے ۔ ؎

واللہ کلامِ حق کہ علی الحق یکے ست و بس　　(واللہ بس کلامِ خدا ہے کلامِ حق)

پس در نزول مختلف آثار آمدہ　(ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں)

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین کی مصنوعات وجود میں آرہی ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے) وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ (سورہ قمر آیت ۵۰) (اور ہمارا حکم بس ایسا یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ جھپکانا) ۔ اس آیت کریمہ میں (اس حقیقتِ مذکورہ کی طرف) اشارہ ہے کہ اگر زندہ کرنا یا مارنا ہے تو وہ اسی ایک فعل سے مربوط ہے ۔ اور اگر ایلام (تکلیف) ہے یا انعام ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے (منوط) ملا ہوا ہے، اور اگر ایجاد ہے یا اعدام (مٹا دینا) ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے پیدا ہوا ہے ــــــــــ لہٰذا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فعل میں بھی تعددِ تعلقات ثابت نہیں ہے بلکہ ایک ہی تعلق سے مخلوقاتِ اولین و آخرین اپنے وجود کے اوقاتِ مخصوصہ میں وجود پذیر ہو رہی ہیں، اور یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کے مانند بے چون و بے چگونہ ہے کیونکہ چون کو بے چون کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے: لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہوں کی بخششیں ان کے اونٹ ہی اٹھا سکتے ہیں) ۔

اشعریؒ[1] چونکہ حق جل سلطانہٗ کے فعل کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے تکوین کو حادث کہہ دیا اور اس سبحانہٗ کے افعال کو بھی حادث جان لیا اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ یہ سب حق سبحانہٗ کے فعلِ ازلی کے آثار ہیں نہ کہ اس تعالیٰ کے افعال ــــــــــ اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ بعض صوفیہ جنہوں نے تجلیِ افعال کا اثبات کیا ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینے میں سوائے فعلِ واحد جل سلطانہٗ کے کچھ نہیں دیکھا، وہ تجلی حقیقت میں حق سبحانہٗ کے فعل کے آثار کی ایک تجلی ہے

---

[1] یعنی امام ابوالحسن اشعریؒ جو فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علمِ کلام کے موجد تھے سنہ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے، ابتدا میں معتزلہ کے سرگرم کارکن رہے، پھر شافعی مسلک اختیار کر کے دینی مسائل کو فلسفیانہ انداز سے مرتب کیا اور تقریباً ۳۰۰ کتابیں لکھیں جن میں "مقالات الاسلامیین" سب سے زیادہ اہم ہے۔ سنہ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔

نہ کہ اس تعالیٰ کے فعل کی تجلی، کیونکہ اس تعالیٰ کے فعل کو جو بے چون و بے چگونہ ہے اور قدیم ہے اور اس تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو تکوین کہتے ہیں، محدثات کے آئینے میں اس کی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظاہر میں اس کا کوئی ظہور نہیں ہے

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد — در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد

(صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سے آئے — منگتے کی جھونپڑی میں کیوں بادشاہ جائے)

اس فقیر کے نزدیک افعال و صفات کی تجلی، ذات تعالیٰ و تقدس کی تجلی کے بغیر متصور نہیں ہے کیونکہ افعال و صفات، حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں تاکہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے بغیر متصور ہو سکے ——— اور جو کچھ ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا ہے وہ اس سبحانہ کی صفات و افعال کے ظلال ہیں، لہذا ان کی تجلی افعال و صفات کے ظلال کی تجلی ہوتی ہے نہ کہ افعال و صفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کی سمجھ اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی؛ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

عقیدہ (۲) اب ہم اصل بات کی طرف رجوع ہوتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے لیکن وہ تعالیٰ "محیط اشیاء" ہے (یعنی تمام اشیا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے) اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے، اور وہ احاطہ قرب و معیت ایسا نہیں ہے جو ہماری فہم قاصر میں آسکے کیونکہ یہ (بات) اس تعالیٰ کی جنابِ قدس کے شایانِ شان نہیں ہے ——— اور (صوفیہ) جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں وہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے۔ کیونکہ ممکن (بشر وغیرہ) کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل و نادانی اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانا چاہئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اس کو "لا" کی نفی کے تحت لانا چاہئے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(اٹھا لے جال، شکار عنقا محال — بس یہاں جال کا یہی ہے مآل)

حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی مثنوی کا ایک بیت اس مقام کے مناسب ہے

هنوز ایوان استغنا بلند است	مرا فکر رسیدن ناپسند است
(قصر استغنا تو اونچا ہے ہنوز	سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز)

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ "محیط اشیاء" (یعنی تمام اشیاء کو محیط ہے) اور ان سے قریب ہے، اور ان کے ساتھ ہے لیکن اس احاطہ اور قرب ومعیت کے معنی (وحقیقت) اس تعالیٰ کے ساتھ کیا ہیں وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کو احاطہ اور قرب علمی کہنا بھی تاویلات کے متشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

عقیدہ (۳) اور حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور اسی طرح کوئی چیز بھی اس سبحانہٗ کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔ اور بعض صوفیہ کی عبارات سے جو کچھ اتحاد کا مفہوم لیا جاتا ہے وہ ان کی مراد کے خلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم ہوتا ہے اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ سے یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور نیستی محض (نہایت) حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ یہ کہ فقیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے تعالی اللّٰہ سبحانہٗ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ظالموں کے وہم وگمان سے بہت بلند اور بڑا ہے)۔

—— اور ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اَنَا الْحَقّ سے یہ مراد نہیں ہے کہ "میں حق ہوں" بلکہ مطلب یہ ہے کہ "میں نہیں ہوں حق سبحانہٗ موجود ہے"۔

عقیدہ (۴) اور تغیر وتبدل کو اس تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی راہ نہیں ہے فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ وَلَا فِيْ أَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْأَكْوَانِ (پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات اور افعال میں کائنات (موجودات) کے حدوث (حادث) سے متغیر نہیں ہوتی) —— اور جو کچھ صوفیہ وجودیہ نے تنزلات خمسہ کے بارے میں اثبات کیا ہے وہ مرتبہ وجوب میں تغیر وتبدل کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ وہ کفر وگمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے ظہورات کے مراتب میں اعتبار کیا ہے بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی تغیر وتبدل راہ پائے۔

عقیدہ (۵): اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں غنی مطلق ہے اور کسی امر (کام) میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے اسی طرح ظہور میں بھی

محتاج نہیں ہے ———— اور یہ جو بعض صوفیہ کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کے ظہور میں ہم لوگوں کا محتاج ہے۔ یہ بات فقیر پر بہت گراں ہے بلکہ جانتا ہے کہ ان (مخلوق) کی پیدائش سے مقصود خود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے نہ کہ وہ کمال جو حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ آیۂ کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۱ ذاریات آیت ۵۶) ای لیعرفون[1] (اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اپنی معرفت کے لئے) اسی مطلب کی تائید کرتی ہے ———— لہٰذا جن و انس کی پیدائش سے مقصود ان کو معرفت کا حصول ہے جو کہ ان کے لئے کمال ہے، نہ یہ کہ ایسا امر جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ ———— اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأُعْرَفَ (میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ میں پہچانا جاؤں) اس جگہ بھی ان کی اپنی معرفت مراد ہے نہ یہ کہ میں (یعنی حق تعالیٰ) معروف ہو جاؤں اور ان کی معرفت کے توسل سے کمال حاصل کروں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند اور سب سے برتر ہے)۔

عقیدہ (۶)، حق تعالیٰ نقص کی تمام صفتوں (اقسام) اور حدوث کے تمام نشانات سے منزہ اور مبرا ہے، جس طرح وہ جسم و جسمانی نہیں ہے مکانی و زمانی بھی نہیں ہے بلکہ تمام صفات کمال اسی کے لئے ثابت ہیں، جن میں سے آٹھ صفاتِ کمال وجودِ ذات تعالیٰ و تقدس پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ آٹھ صفات: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین (پیدا کرنا) ہیں، اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں، اور ایسا نہیں ہے کہ وجودِ ذات پر وجودِ زائد کے ساتھ علم میں موجود ہیں اور خارج میں نفسِ ذات تعالیٰ و تقدس ہیں جیسا کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور کہا ہے ؎

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات	یا ذاتِ تو از روئے تحقق ہمہ عین
(عقل کہتی ہے صفات اغیار ہیں	سچ یہ ہے وہ ذات میں ہیں عینِ ذات)

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے اس لئے صفات کی نفی کرنے والے یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائر علمی اور اتحاد خارجی کہا ہے اور تغائر علمی سے انکار نہیں کیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ علم کا مفہوم عین مفہوم ذات تعالیٰ و تقدس ہے یا عین مفہوم قدرت و ارادہ ہے، بلکہ عینیت وجودِ خارجی کے اعتبار سے کہا ہے۔ لہٰذا جب تک یہ (صوفیہ) وجودِ خارجی کے تغائر کا اعتبار نہ کریں صفات کے انکار

[1] ملا علی قاری نے فرمایا کہ اس کے معنی صحیح ہیں اور آیت "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" سے مستفاد ہے۔ (معرب)

Marfat.com

کرنے والوں میں سے نہیں نکلتے کیونکہ تغایرِ اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا۔ کما عرفت جیسا کہ تو نے سمجھ لیا۔

عقیدہ (۷) اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے "قدم و ازل" ثابت نہیں۔ تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے اور جو شخص بھی حق جل وعلا کے سوا کسی غیر کے قدم و ازلیت کا قائل ہوا اس کی تکفیر کی ہے ——— امام غزالیؒ نے اسی وجہ سے ابن سینا اور فارابی اور ان جیسے عقائد والوں کی تکفیر کی ہے جو عقول و نفوس کے قِدم کے قائل ہیں اور ہیولیٰ اور صورت کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بھی قدیم جانتا ہے ———

اور ہمارے خواجہ حضرت (باقی باللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ "شیخ محی الدین ابن العربیؒ کاملین کی ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں" اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہئے تاکہ اہل ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ (۸) اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزہ اور مبرا ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے اس کے ایجاب کا اثبات کیا ہے، اور ان بے عقلوں نے ذات واجب تعالیٰ و تقدس کو بیکار سمجھا ہے اور سوائے ایک مصنوع کے کوئی بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر نہ جان کر حوادث کے وجود کو عقلِ فعال کی نسبت دی ہے جس کا وجدان کے وہم کے علاوہ کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے فاسد زعم میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ان کو کچھ کام نہیں ہے ——— لازمی طور پر چاہیے تھا کہ اضطراب و اضطرار کے وقت اپنی عقلِ فعال کی طرف التجا کرتے اور حضرت حق سبحانہٗ کی طرف رجوع نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک حوادث کے وجود میں اُس تعالیٰ کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عقلِ فعال ہی حوادث کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے بلکہ وہ تو عقلِ فعال سے بھی رجوع نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک بلیات کے دفع کرنے میں بھی اس کا اختیار نہیں ہے۔ یہ بدنصیب (فلاسفہ) اپنی بے وقوفی اور حماقت میں فرقہ ضالہ سے بھی آگے بڑھ گئے حالانکہ کافر بھی بخلاف ان بدبختوں کے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور بلاؤں کے دفعیہ کو اسی تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں ——— تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کی نسبت ان بدبختوں میں دو چیزیں زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکام منزلہ کا کفر اور انکار کرتے ہیں اور

Marfat.com

انبیاء مرسلین کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں بیہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے اور جھوٹے دلائل اور باطل شواہد کو عمل میں لاتے ہیں، اپنے مطالب و مقاصد کے ثابت کرنے میں جسقدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اسقدر لاحق نہیں ہوا ——— آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں اپنے کاموں کا مدار ان کی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد و محرک اور مدبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور دور از معاملہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کیا ہی بے خرد اور کتنے بے وقوف ہیں، اور ان سے بھی زیادہ بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا سمجھتا اور عقلمند جانتا ہے ——— ان کے منظم اور منضبط یعنی مرتب کردہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی، بیہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دو زاویہ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکلِ عروسی اور ماموئی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے ——— علمِ طب و نجوم اور علمِ تہذیبِ اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہترین علوم ہیں، انھوں نے گذشتہ انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کو رائج کیا ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ "المنقذ عن الضلال" میں اس امر کی تصریح کی ہے۔

اہلِ ملت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالبِ عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین کو صرف بطور تبرع (بطور احسان) لاتے ہیں۔ یہی تقلید ان کے لئے کافی ہے، بخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون[۱] کو پہنچی جو ان بدنصیبوں کا سب سے بڑا سردار ہے تو اس نے کہا: نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰی مَنْ يَّهْدِيْنَا (ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں اور ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے) ——— اس بے وقوف کو چاہئے تھا کہ ایسے شخص کو جو مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور مادر زاد اندھے کو

[۱] مشہور افلاطون کا زمانہ ۴۲۷ قبل مسیح ہے ۳۴۷ قبل مسیح تک ہی ہو سکتا ہے کہ حضرت کے زمانے کا افلاطون کوئی اور ہو۔ واللہ اعلم

بینا (دیکھنے والا) اور ابرص (جذامی کوڑھی) کو اچھا کر دیتا ہے، جو (ان کی) حکمت کے قانون سے ناممکن ہے پہلے ان کو دیکھتا اور ان کے حالات دریافت کرتا پھر جواب دیتا) بغیر دیکھے جواب دینا کمالی درجہ دشمنی اور کمینہ پن ہے ۔

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں ۔ ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

(فلسفہ اکثر سفہ ہے پس سفہ ۔ کل کا حکم آخر ہے اکثر کا حکم)

نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ظُلُمَاتِ مُعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوْءِ (اللہ سبحانہ ان کے برے عقائد کی تاریکی سے ہم کو نجات دے) ــــــ ان ہی ایام میں فرزندی محمد معصوم نے "جواہر شرح مواقف" کو پورا کیا ہے۔ اثنائے سبق میں ان بے وقوفوں (فلاسفہ) کی برائیاں واضح طور پر سامنے آئیں اور ان کی وجہ سے بہت فائدے مترتب ہوئے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لیکر آئے) (اعراف آیت ۴۳)

ــــــ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی (بعض) عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں کہ اس کے ترک کی صحت قادر (حق تعالیٰ) سے تجویز نہیں کرتے اور فعل کی جانب کو لازم جانتے ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین (اللہ تعالیٰ کے) مقبولین میں سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں شاید ان کو خطائے کشفی کے باعث معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ان سے ملامت دور کر دی گئی ہے ــــــ

ــــــ شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد یہی ہے کہ ان کو مقبولین میں سے جانتا ہے اور ان کے ان علوم کو (جو اہل حق کے) مخالف ہیں خطا اور ضرر رساں دیکھتا ہے ــــــ اس گروہ (صوفیہ) کے بعض لوگ ایسے ہیں کہ شیخ (موصوف) کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں اور ان کے علوم مخالفہ کو بھی غلط اور نادرست سمجھتے ہیں۔ اور اس گروہ کے بعض لوگ شیخ (موصوف) کی تقلید اختیار کر کے ان کے تمام علوم کو درست جانتے ہیں اور دلائل و شواہد سے ان علوم کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ہر دو فریق نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے

Marfat.com

اور میانہ روی سے دور ہو گئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ شیخ (موصوف) کو جو کہ اولیائے مقبولین میں سے ہیں خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کر دیا جائے اور ان کے علوم کو جو کہ صحت و صواب سے دور ہیں اور اہلِ حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید کی وجہ سے کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے: فَالْحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِیْ وَفَّقَنِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِمَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ (پس حق اسی میانہ روی میں ہے جس کی توفیق اللہ سبحانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بخشی ہے)۔

مسئلہ وحدت الوجود

ہاں مسئلہ "وحدت الوجود" میں اس گروہ (صوفیہ) کی ایک بڑی جماعت شیخ کے ساتھ شریک ہے اگرچہ شیخ (موصوف) اس مسئلہ میں بھی ایک خاص طرز رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں وہ سب لوگ (شیخ کے ساتھ) شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہر میں اہلِ حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجیہ کے قابل اور تطبیق دینے کے لائق ہے ۔۔۔۔۔۔ اس فقیر نے اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) کی "شرح رباعیات" کی شرح میں اس مسئلہ کو اہلِ حق کے عقائد کے ساتھ تطبیق دی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظی طرف پھیرا ہے (یعنی نزاع لفظی ثابت کیا ہے) اور طرفین کے شکوک و شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی، کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی النَّاظِرِ فِیْہِ (جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ ۹ و ۱۰

عقیدہ (۹)، جاننا چاہیئے کہ تمام ممکنات خواہ جواہر ہوں یا اعراض، خواہ اجسام و عقول ہوں یا نفوس، افلاک ہوں یا عناصر، سب اسی قادر مختار کی ایجاد کئے ہوئے ہیں جو ان کو نہاں خانۂ عدم سے معرضِ وجود میں لایا ہے، اور جس طرح یہ سب اپنے وجود میں اس تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح بقا (باقی رہنے) میں بھی اس سبحانہٗ کے محتاج ہیں، اور اس نے اسباب و وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنا دیا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کے پردے بنا دیئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے دلائل قرار دے کر حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے، کیونکہ وہ عقلمند حضرات جنھوں نے حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت میں اپنی بصیرت کو سرمگیں اور روشن کر لیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل اپنے وجود و بقا میں اس سبحانہٗ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی تعالیٰ و تقدس سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ جمادِ محض ہیں، وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی ان کی مثل (جماد) ہے

Marfat.com

اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان میں احداث و اختراع کس طرح کر سکتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ ان کے علاوہ اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا ہے اور ہر ایک کے لائق و مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ عقلمند آدمی جمادِ محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کا سراغ لگا لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس (جماد) کے حال کے لائق نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے، لہٰذا عقلمندوں کے نزدیک جماد کا فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش ہونا ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعلِ حقیقی کے وجود پر دلیل ہو گیا پس یہاں بھی اسی طرح ہے ــــــــــــ

البتہ اس بے وقوف کے فہم میں جماد کا فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش بن گیا جس نے اپنی حد درجہ بے وقوفی کی وجہ سے جمادِ محض کو اس ظاہری فعل کے سبب صاحبِ قدرت جان لیا ہے اور فاعلِ حقیقی کا منکر ہو گیا ہے: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (گمراہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو)۔

یہ معرفت "مشکوٰۃ نبوت" سے مقتبس ہے لیکن ہر شخص کی فہم اس تک نہیں پہنچی۔ ایک جماعت اس کمال کو اسباب کے دُور کرنے میں جانتی ہے اور شروع ہی سے چیزوں کو بغیر اسباب کے توسط کے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں حکمت ختم ہو جاتی ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران آیہ ۱۹۱) (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بیکار اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا)۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اسباب کی رعایت کرتے ہیں اور (باوجود اس رعایت کے) اپنے کام کو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مراعات سے جانتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرِ بد لگ جانے کے خیال سے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی تھی: يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (یوسف آیت ۶۷) (اے میرے بیٹو! تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا)۔

اور (حضرت یعقوبؑ نے) اس احتیاطی تدبیر کی رعایت کے باوجود اپنے حکم کو جل سلطانہٗ کے سپرد کر کے فرمایا: وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ

Marfat.com

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۷) (پس تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نہیں بچا سکتا۔ بیشک حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے) ـــــــ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرما کر اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۸) (اور وہ (حضرت یعقوبؑ) بیشک بہت ہی صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے) ـــــــ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسباب کے واسطہ کا اشارہ فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جو آپ کی اتباع کرتے ہیں)۔

باقی رہا یہ کہ اسباب کی تاثیر روا ہے کیونکہ بعض اوقات حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اسباب میں بھی تاثیر فرما دیتا ہے تاکہ وہ موثر ہو جائے، اور بعض اوقات ان میں تاثیر پیدا نہیں فرماتا لہٰذا ناچار اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم (روزمرہ) اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کا وجود مرتب ہوتا ہے اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر سے مطلقاً انکار کرنا لغو و باطل ہے تاثیر کو ماننا چاہیے لیکن اس تاثیر کو بھی اس کے سبب کی طرح حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ (جیسا کہ اللہ سبحانہٗ نے الہام فرمایا)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اسباب کا واسطہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے خیال کیا ہے بلکہ اسباب میں توسط کا خیال کرنا کمال توکل ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے معاملہ کو حق جل وعلا کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف آیت ۶۷) (اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل (بھروسہ) کرنا چاہیے)۔

عقیدہ ۱۰) اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا بھی ہے اور دونوں (خیر و شر) کا پیدا کرنے والا بھی، لیکن وہ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے ناراض۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا باریک

عقیدہ ۱۰

Marfat.com

اور دقیق فرق ہے جس کی طرف حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اہلِ سنت کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہوگئے ہیں ـــ اسی وجہ سے معتزلہ نے بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہا ہے اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس (بندہ) سے منسوب کیا ہے ـــ

ـــــــ شیخ محی الدینؒ اور ان کی پیروی کرنے والوں کے کلام سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ "جس طرح ایمان و عمل صالح "اسم الہادی" کے پسندیدہ ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی "اسم المضل" کے پسندیدہ ہیں" ـــــــ (شیخ کی) یہ بات بھی اہل حق کے خلاف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا منشا ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ آفتاب کا کام ضوفشانی (روشنی پھیلانا) ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قدرت و ارادہ عطا کیا ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حق سبحانہٗ کی طرف منسوب ہے اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے اللہ سبحانہٗ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بندہ جب اپنے فعل کا ارادہ کرتا ہے تو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے ـ چونکہ بندہ کا فعل اپنے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کی تعریف اور برائی، ثواب اور عذاب بھی اسی سے متعلق ہو جاتا ہے ـــــــ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ بندے کا اختیار کمزور اور ضعیف ہے اگر حق سبحانہٗ کی قوتِ اختیار کے اعتبار سے (اس بندے کے اختیار) کو ضعیف کہا ہے تو مسلم ہے اور اگر اس معنی میں کہا گیا ہے کہ جس کام کے کرنے میں اس کو مامور کیا گیا ہے وہ (قوت و اختیار) کافی نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں: فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا يُكَلِّفُ بِمَا لَيْسَ فِي وُسْعِهٖ بَلْ يُرِيْدُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ الْعُسْرَ (پس بیشک اللہ سبحانہٗ ایسے کام کی تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی وسعت سے باہر ہو بلکہ وہ تو آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "فعلِ موقت" (چند روزہ زندگی کے فعل) پر جزائے مخلد (دائمی عذاب) کا مقرر کرنا حق تعالیٰ کے حوالے ہے، جس نے "کفرِ موقت" کی سزا اس کے اعمال کے موافق "عذابِ مخلد" فرمائی۔ اور "ملذاتِ دائمی" (یعنی بہشت اور جو کچھ اس میں ہے) کو "ایمانِ موقت" (زندگی بھر کے ایمان) پر وابستہ کر دیا، ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (یہ عزیز و حکیم کا مقرر کردہ ہے)۔

اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اس قدر تو ہم جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو ظاہری

Marfat.com

اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جس کی بارگاہ قدس کے لئے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے اس کی نسبت کفر اختیار کرنے کی سزا بھی ایسی ہی ہونی چاہئے جو سخت ترین سزاؤں میں سے ہو اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے۔ اور اسی طرح اس منعم بزرگ و برتر پر ایمان بالغیب لانا اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کی جزا بھی ویسی ہی ہونی چاہئے جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو اور وہ دائمی نعمت و لذات میں رہتا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ "درحقیقت بہشت میں داخل ہونا محض حق سبحانہٗ کے فضل پر موقوف ہے اور اس کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا اس وجہ سے ہے کہ اعمال کی جزا لذیذ ترین معلوم ہو"۔ ——— لیکن اس فقیر کے نزدیک حقیقتاً بہشت میں داخل ہونا ایمان کی وابستگی پر موقوف ہے لیکن ایمان بھی اس سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل اور عطیہ ہے ——— اور جہنم میں داخل ہونا کفر کے ساتھ وابستہ ہے اور کفر نفسِ امارہ کی خواہشات سے پیدا ہوتا ہے: مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (نساء آیت ۷۹) (جو کچھ بھلائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ برائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے)

جاننا چاہئے کہ بہشت کے داخلہ کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا حقیقت میں ایمان کی تعظیم اور تکریم ہے بلکہ "مؤمَن بہٖ" (جس پر ایمان لایا گیا) کی تعظیم ہے جس پر اس قدر بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے ——— اور اسی طرح دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرنے میں کفر کی تحقیر ہے، اور اس ذات کی تعظیم ہے جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا اور اس طور پر دائمی عذاب اس پر مرتب ہوا ——— برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی کہ وہ اس دقیقہ سے خالی ہے۔ اور نیز دوزخ میں داخل ہونا بھی انصاف کے تقاضے پر ہے اور کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے کیونکہ جہنم میں داخل ہونا حقیقت میں کفر کے ساتھ مربوط ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْھِمُ۔ ھٰذَا۔ (اللہ سبحانہٗ ہی الہام فرمانے والا ہے) اس کو یاد رکھیں

عقیدہ (۱۱) اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو مومنین آخرت میں بے جہت، بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے ——— یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل سنت کے علاوہ تمام اہلِ ملت اور غیر اہل ملت سب اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف رویت کو

Marfat.com

جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن العربیؒ بھی آخرت کی رویت کو تجلیٔ صوری کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس تجلیٔ صوری کے علاوہ کچھ تجویز نہیں کرتے ــــــ ایک روز ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ رویت کو تنزیہ کے مرتبہ میں منعقد نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہو جاتے اور اسی رویت کو تجلیٔ (صوری) سمجھ لیتے تو ہرگز رویت کا انکار نہ کرتے اور محال نہ سمجھتے یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی کی وجہ سے ہے جو مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف اس تجلی کے جس میں جہت اور کیف ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

ــــــ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آخرت کی رویت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا فی الحقیقت خاص رویت کا انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلیٔ صوری اگرچہ دنیاوی تجلیات صوریہ سے مختلف ہے لیکن حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے ؎

یَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ　　وَاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

(جنتی کو دیدِ حق کی ہوگی سیر　　کیف و ادراک اور مثالوں کے بغیر)

عقیدہ (۱۲) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت عالم (تمام جہان) کے لئے سراسر رحمت ہے اگر ان بزرگواروں کے وجود کا وسیلہ نہ ہوتا تو ہم جیسے گمراہوں کو ذات و صفات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا اور ہمارے مولا جل شانہٗ کی مرضیات و نامرضیات والی چیزوں میں کون تمیز کراتا۔ اور ہماری ناقص عقلیں ان (بزرگواروں) کے نورِ دعوت کی تائید کے بغیر اس کے سمجھنے سے معزول و بیکار ہیں اور ہمارے افہام نا تمام ان بزرگواروں کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں عاجز و بے بس ہیں ــــــ بیشک عقل اگرچہ ایک حجت (دلیل) ہے لیکن یہ ایک نا تمام حجت ہے جو مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجت بالغہ (دلیل کامل) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب و ثواب وابستہ ہے۔

سوال:۔ جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو "رحمت عالمیان" کہنا کیا معنی ہوگا۔

جواب: بعثتِ (انبیاءؑ) عین رحمت ہے کیونکہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ اور بعثتِ (انبیاءؑ) کی دولت کی وجہ سے

Marfat.com

معلوم ہوگیا کہ فلاں چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے مناسب ہے اور فلاں نامناسب کیونکہ ہماری لنگڑی اور اندھی عقل امکان و حدوث کے داغ سے داغدار ہے، وہ کیا سمجھے کہ اس حضرت وجوب کے لئے جس کے واسطے قدم لازم ہے اس کے اسماء وصفات اور افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب تاکہ ان مناسب (اسماء وصفات) کا اطلاق کیا جائے اور نامناسب سے پرہیز کیا جائے۔ بلکہ اوقات (ہماری اندھی عقل) اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقص جانتی ہے اور نقص کو کمال سمجھنے لگتی ہے ______ فقیر کے نزدیک یہ (مناسب و نامناسب کا) امتیاز تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو نامناسب امور کو اس تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کردے اور ناشائستہ چیزوں کو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ نسبت دے ______ یہ بعثت (انبیاء) ہی کا کارنامہ ہے جس نے حق کو باطل سے جدا کر دیا بعثت ہی کی وجہ سے غیر مستحق عبادت اور مستحق عبادت (حق جل وعلا) کے درمیان تمیز قائم کی۔ یہ بعثت ہی ہے کہ جس کے ذریعے حق جل وعلا کے راستے کی طرف دعوت دی جاتی ہے جو بندوں کو مولے جل سلطانہٗ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتی ہے۔ اور بعثت ہی کے وسیلے سے مولیٰ جل شانہٗ کی مرضیات کی اطلاع میسر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ______ بعثت ہی کے طفیل اس تعالیٰ کی ملک میں تصرف کا جواز و عدم جواز کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اور بعثت کے فوائد کی مثالیں بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت سراپا رحمت ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس امارہ کا مطیع ہوگیا اور شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرتا ہے اور بعثت کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس میں بعثت کا کیا گناہ، اور بعثت کس طرح رحمت نہ ہوگی۔

سوال: ہر چند عقل اپنی ذات کی حد تک احکام الٰہی جل شانہٗ کی بجا آوری میں ناقص و ناتمام ہے لیکن ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ایک بے تکیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے کہ جس مناسبت اور اتصال کے سبب وہ احکام کو وہاں سے اخذ کرلے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتے کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے۔

جواب: اگرچہ عقل یہ مناسبت اور اتصال پیدا کرلے لیکن وہ تعلق جو اس کا جسمانی بدن کے ساتھ ہے وہ بالکل ختم نہیں ہوتا اور کامل طور پر علیحدگی حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا قوت واہمہ ہمیشہ

دامنگیر رہتی ہے اور قوتِ متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی، اور قوتِ غضبیہ و شہویہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے، اور حرص و لالچ کے رذائل ہر وقت اس کے ہمنشین رہتے ہیں، سہو و نسیان جو نوعِ انسانی کی لوازمات میں سے ہیں اس کی عقل سے مکمل طور پر جدا نہیں ہوتے، اور غلطی و خطا جو اس جہان کا خاصہ ہے اس سے جدا نہیں ہوتے۔ لہذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے، اور اس سے ماخوذ احکام وہم اور تصرفِ خیال کے غلبہ سے محفوظ نہیں رہتے اور نسیان و خطا کے گمان کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہتے، برخلاف فرشتے کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرا ہے تو لازمًا وہ اعتماد کے قابل ہے اور اس سے ماخوذ احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و خطا کے گمان سے محفوظ ہیں۔

اور بعض اوقات وہ علوم جو تلقیِ روحانی (القائے روحانی) سے اخذ کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کے متعلق تبلیغ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قوٰی و حواس کے ساتھ بعض مقدماتِ مسلّمہ غیر صادقہ جو وہم و خیال یا کسی ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز ممکن نہیں رہتی، اور دوسرے وقت میں ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم دیدیا جاتا ہے اور کبھی نہیں دیا جاتا۔ لہذا لازمی طور پر وہ علوم ان مقدمات کے مل جانے کی وجہ سے کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے ہیں اور اعتماد کے قابل نہیں رہتے ــــــ یاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا اعمالِ صالحہ کے بجا لانے پر موقوف ہے جو مرضیاتِ مولیٰ سبحانہٗ ہیں۔ اور یہ معنی بعثتِ (انبیاء) پر وابستہ ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا۔

لہذا ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت میسر نہیں ہوتی اور وہ صفائی جو کفار اور اہلِ فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ کہ قلب کی صفائی۔ اور نفس کی صفائی سوائے گمراہی کے کچھ نہیں بڑھاتی، اور سوائے نقصان کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا ــــــ اور بعض غیبی امور کا کشف جو صفائیِ نفس کے وقت کفار اور اہلِ فسق کو حاصل ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے جس سے مقصود اس جماعت کی خرابی اور نقصان ہے، نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ھٰذِہِ الْبَلِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَعَلٰی اٰلِہٖ کُلٍّ (اللہ سبحانہٗ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات وعلی آلہ کے طفیل ہم کو اس بلا سے نجات دے)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ تکلیفِ شرعی جو بعثتِ (انبیاء) کی راہ سے ثابت ہوتی ہے وہ بھی

رحمت ہی ہے، نہ کہ جس طرح تکلیفِ شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے
اور تکلیفِ شرعی کو مصیبت جان کر غیر معقول اور ناپسند قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کون سی مہربانی ہے
کہ بندوں کو امورِ شاقہ کی تکلیف دی جائے پھر ان سے کہا جائے کہ اگر تم اس تکلیف کے مطابق عمل
کروگے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کے خلاف کروگے تو دوزخ میں جاؤ گے، ان کو ایسے امور کی
کیوں تکلیف دیتے ہیں اور ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پئیں اور سوئیں اور
جس طرح چاہیں اپنے طور پر زندگی بسر کریں ——— (یہ منکرین) بد نصیب
اور بے عقل یہ نہیں جانتے کہ از روئے عقل "شکرِ منعم" ادا کرنا واجب ہے اور یہ تکلیفاتِ شرعیہ اس شکر کے
بجالانے کا بیان ہے۔ لہٰذا تکلیفِ (شرعی) عقل کی رو سے بھی واجب ہے۔ اور اسی طرح "نظامِ عالم"
"تکلیفاتِ شرعی" کے ساتھ وابستہ ہے ——— اگر ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو سوائے
شرارت و فساد کے کچھ ظہور میں نہ آتا اور ہر بوالہوس دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور
خباثت و شرارت سے پیش آتا، اس طرح خود بھی ضائع ہوتا اور دوسروں کو ضائع کرتا۔ عِیَاذاً بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ
اگر عقلی اور شرعی موانع حائل نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ کس قدر شرارت و فساد ظاہر ہوتا۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ
حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ (بقرہ آیت ۱۷۹) (اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں ہی زندگی ہے) (اس تالع ہے) ؎

اگر چوبِ حاکم نباشد ز پے ... کند زنگیٔ مست در کعبہ قے

(اگر چوبِ حاکم کا ہوتا نہ خوف ... شرابی تو کعبے میں کر دیتا قے)

با ایں ہمہ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ زمین و آسمان اور ہر چیز کا خود مختار مالک ہے اور (تمام) بندے اس سبحانہٗ کے
مملوک اور غلام ہیں۔ لہٰذا جو حکم و تصرف وہ ان میں فرماتا ہے وہ عین خیر و صلاح ہے اور ظلم و فساد کی
آمیزش سے منزہ و مبرا ہے۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (انبیاء آیت ۲۳) (وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا) ؎

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو ... کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(ترے خوف سے کس کو ہے حوصلہ ... کہ تسلیم سے ہٹ کے کھولے زباں)

اگر وہ سب کو دوزخ میں ڈال دے اور دائمی عذاب کا حکم فرمائے تو کسی کو اعتراض کی کیا مجال ہے
اور یہ غیر کی ملک میں تصرف نہیں ہے کہ اس میں ظلم و ستم کا شائبہ ہو۔ برخلاف ہماری املاک کے
جو فی الحقیقت اسی سبحانہٗ کی املاک ہیں۔ ان املاک میں تمام تصرفات (سوائے ان کے جو جائز ہیں)

Marfat.com

عین ستم ہیں کیونکہ صاحب شرع نے بعض مصالح کی بنا پر ان املاک کی نسبت ہماری طرف کر دی ہے لیکن حقیقت میں وہ سب اسی سبحانہ کی ملکیت ہیں۔ لہذا ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہے جس قدر مالک علی الاطلاق (بالکلیہ مالک حق تعالیٰ) نے اس میں تصرف کی اجازت دی اور مباح فرمایا ———

——— کیونکہ ان بزرگواروں (یعنی انبیا) علیہم الصلوات والتسلیمات نے حق جل وعلا کے احکام کے بارے میں خبریں دی ہیں، اور جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ سب سچے اور واقعہ کے مطابق ہیں ———

(علماء نے) احکام اجتہادیہ میں ان بزرگوار (پیغمبران) علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے اگرچہ خطا کو تجویز کیا ہے لیکن خطا کے برقرار رکھنے کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور فرمایا ہے کہ: ان کو ان کی خطا پر جلدی متنبہ کر دیتے ہیں اور ان کی خطا کا تدارک صواب سے کر دیتے ہیں: فَلَا اِعْتَدَادَ بِذٰلِکَ الْخَطَاءِ (لہذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے)۔

عقیدہ (۱۳)۔ اور قبر کا عذاب خاص طور پر کافروں کے لئے اور بعض گنہگار اہل ایمان کے لئے "حق" ہے کیونکہ مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس کی خبر دی ہے۔

عقیدہ (۱۴) اور قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر نکیر کا سوال بھی "حق" ہے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کے درمیان "قبر" ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب بھی ایک وجہ سے دنیاوی عذاب سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر (ختم ہونے والا) ہے، اور دوسری وجہ سے اس کو عذاب اخروی کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ وہ حقیقت میں آخرت کے عذابوں میں سے ہے۔ آیت کریمہ: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا (مومن آیت ۴۶) (وہ صبح و شام آگ (دوزخ) پر پیش کئے جاتے ہیں) نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ (یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے) ——— اور اسی طرح قبر کی [illegible] بھی دو حیثیتیں رکھتی ہے، وہ شخص بہت ہی سعادتمند ہے جس کی لغزشوں اور گناہوں کو کمال کرم اور مہربانی سے [illegible] فرما دیں اور ہرگز اس سے مواخذہ نہ کریں، اور اگر مقام مواخذہ میں آجائے تو بھی اپنی کمال رحمت سے دنیاوی آلام و مصائب کی تکالیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیدیں۔ اور اگر کچھ باقی رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر ہیں ان سے کفارہ کر دیں تاکہ پاک و پاکیزہ ہو کر حشر میں مبعوث ہو۔ اور جس کسی کے لئے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر چھوڑ دیں تو یہ بھی عین عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے ——— ہاں اگر وہ (گنہگار) اہل اسلام سے ہے تو اس کا انجام رحمت سے ہی

اور وہ عذاب ابدی سے محفوظ ہے، یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اے ہمارے رب! سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہمارے نور کو کامل فرما اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

عقیدہ (۱۵) روزِ قیامت حق ہے۔ اس روز آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، سمندر، حیوان، نباتات اور معدنیات سب کے سب معدوم و ناچیز ہو جائیں گے، آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے منتشر ہو کر گر جائیں گے، اور زمین و پہاڑ پراگندہ ذرات ہو جائیں گے۔ یہ تمام توڑ پھوڑ اور فنا کا تعلق نفخۂ اولی سے ہے ——— اور نفخۂ ثانیہ (دوسرے صور) پر لوگ قبروں سے اٹھ کر حشر کی طرف روانہ ہوں گے ——— اور فلاسفہ (یعنی حکماءِ یونان وغیرہ) آسمانوں ستاروں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے، وہ ان کو ازلی اور ابدی کہتے ہیں ——— اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنے آپ کو زمرۂ اہلِ اسلام میں شمار کرتے ہیں اور اسلام کے بعض احکام بھی بجا لانے کا دعوی کرتے ہیں ——— زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہلِ اسلام ان کی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جرأت و دلیری کے ساتھ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں، اور اگر کوئی ان پر طعن و تشنیع کرے تو اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوصِ قطعی کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر آیت ۱ و ۲) جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے) ——— نیز اللہ تعالی فرماتا ہے: اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (انشقاق آیت ۱، ۲) (جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے) ——— اور اللہ تعالی فرماتا ہے: وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (نبا آیت ۱۹) (اور آسمان کھل جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے) (یعنی پھٹ جائے گا) ——— اس قسم کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ صرف کلمۂ شہادت زبان سے ادا کر لینا اسلام میں کافی نہیں ہے، بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق بھی ضروری ہے جن کا بجا لانا اور

ان پر عمل کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے اور کفر و کافری سے تبرا اور بیزار ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسلام متصور ہو جائے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے)۔

عقیدہ (۱۶) اور حساب، میزان (اعمال کا وزن ہونا) اور پل صراط "حق" ہے کہ مخبر صادق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خبر دی ہے۔ (لیکن) نبوت کے اطوار سے ناواقفیت کی بنا پر بعض جاہلوں کا ان امور کو بعید از عقل سمجھنا اور ناقابل تسلیم ہے) کیونکہ نبوت کے اطوار عقل کے اطوار سے بالاتر ہیں۔ حقیقت میں انبیاء کرام کی سچی خبروں کو عقل کی نظر کے موافق کرنے کی کوشش کرنا حقیقت میں "طور نبوت" سے انکار ہے کیونکہ یہاں معاملہ صرف تقلید (انبیاء) پر مبنی ہے ــــــــ وہ یہ نہیں جانتے کہ "طور نبوت" "طور عقل" کے مخالف ہے، بلکہ "طور عقل" انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کی تائید کے بغیر اس عالی مطلب کی طرف ہدایت حاصل نہیں کر سکتی۔ مخالفت دوسری چیز ہے اور رسائی نہ ہونا دوسری بات ہے۔ کیونکہ مخالفت رسائی کے بعد متصور ہوتی ہے۔

عقیدہ (۱۷) اور بہشت و دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب کے بعد ایک گروہ بہشت میں بھیجا جائے گا اور دوسرا گروہ دوزخ میں۔ اور ان (مومنوں کے لئے ثواب اور کفار کے لئے) عذاب دائمی و ابدی ہوگا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں جیسا کہ قطعی اور مؤکدہ نصوص اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحب فصوص (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) کہتے ہیں کہ سب کا انجام "رحمت" ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا) وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف آیت ۱۵۶) (اور میری رحمت سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے)۔ ــــــــ اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ (ایک حقبہ اسی برس کی مدت) تک ثابت ہے۔ اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ "آگ ان کے حق میں بَرْدًا وَّسَلٰمًا (ٹھنڈی اور سلامتی والی) ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی۔ اور حق جل و علا کی وعید میں خلاف کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ــــــــ اور وہ (صاحب فصوص) یہ کہتے ہیں کہ اہل دل (صوفیہ) میں سے کوئی بھی کفار کے دائمی عذاب کی طرف نہیں گیا ہے" اور اس مسئلہ میں بھی وہ راہ حق سے دور جا پڑے ہیں اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں "وسعت رحمت" صرف اسی دنیا میں مخصوص ہے لیکن آخرت میں کافروں کو رحمت کی بو تک نہیں پہنچے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (یوسف آیت ۸۷) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

Marfat.com

سوائے کافروں کے کوئی مایوس (ناامید) نہ ہوگا) ـــــ جیسا کہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ کے بعد فرمایا ہے، فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (اعراف آیت ۱۵۶) (پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو متقی ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں) ـــــ شیخ (ابن عربیؒ) نے آیت کے اول حصہ کو تو پڑھ لیا اور آخری حصہ کے عمل کو نہ فرمایا۔

اور جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (اعراف آیت ۵۶) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے) ـــــ نیز آیۂ کریمہ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ (ابراہیم آیت ۴۷) (پس ہرگز گمان نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا) بھی وعدہ خلافی کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی ـــــ اور ہو سکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا اقتصار و انحصار اس وجہ سے ہو کہ وعدہ سے مراد رسولوں کی نصرت اور کفار پر ان کا غلبہ ہے۔ اور یہ بات وعدہ و وعید دونوں کو متضمن ہے یعنی رسولوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید ـــــ لہٰذا اس آیۂ کریمہ میں بھی خلفِ وعدہ (وعدہ خلافی) کی نفی ہوتی ہے اور خلفِ وعید کی بھی نفی۔ فَالْاٰیَةُ مُسْتَشْهَدَةٌ عَلَیْهِ لَا لَهٗ (لہٰذا آیتِ مذکورہ شیخ کے خلاف ہے تائید میں نہیں ہے) ـــــ اور اسی طرح خلف در وعید (وعید میں خلاف ہونا) بھی وعدہ خلافی کے مانند جھوٹ کو مستلزم ہے۔ اور یہ حضرت جل سلطانہٗ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ (حق تعالیٰ) ازل ہی میں جانتا تھا کہ کفار کو دائمی عذاب نہیں دوں گا۔ باوجود اس کے کسی مصلحت کی بنا پر اپنے علم کے خلاف فرمادیا کہ میں ان پر دائمی عذاب مسلط کر دوں گا۔ اس بات کو جائز کرنا نہایت ہی برا ہے، سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (صفٰت آیت ۱۸۰) (تمہارا بڑی عزت والا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں)

اور کفار کے لئے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہلِ دل (صوفیہ) کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے اور کشف میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے اور خصوصاً وہ کشف جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہو اس لئے اس کا کچھ اعتبار و اعتماد نہیں ہے۔

عقیدہ (۱۸): فرشتے خداوند جل سلطانہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے پاک اور خطا و نسیان (بھول چوک) سے بھی محفوظ ہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ

Marfat.com

مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم آیت ۶) (اللہ تعالیٰ جو حکم ان کو کرتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے)۔ وہ کھانے پینے سے اور مرد و زن ہونے سے منزہ اور مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ صنفِ ذکور کو صنفِ نساء کے مقابلہ میں شرف حاصل ہے چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال کیا ہے ــــــــ

اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بعض (فرشتوں) کو رسالت کے لئے منتخب کیا ہے جیسا کہ بعض انسانوں کو رسالت کی دولت سے مشرف فرمایا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے) اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج آیت ۷۵) (اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے بعض کو رسالت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے)۔

ــــــ جمہور علماء اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ "خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں"۔ اور امام غزالیؒ اور امام الحرمینؒ اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں ـــــــ اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ کی ولایت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے افضل ہے لیکن نبوت و رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے کہ جس تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے اور وہ درجہ عنصرِ خاک کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے ــــ

ــــ اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ "کمالاتِ ولایت" "کمالاتِ نبوت" کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زائد ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو، لہٰذا "افضلیتِ مطلق" انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لئے ہے۔ پس درست وہی ہے جو علمائے کرام شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے فرمایا ہے ــــ

ــــ اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درجات میں، کسی نبی کے درجے تک کوئی ولی نہیں پہنچتا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں علماء اور صوفیہ کا اختلاف ہے، جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علماء کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے

ــــــــ
۱۔ یعنی امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی المتوفی ۴۷۸ھ

Marfat.com

اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے۔ لہٰذا وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا گیا ہو کئی درجے زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔

ان معارف میں سے بعض کی تحقیق اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۶۰) میں جو فرزندی ارشدی (خواجہ محمد صادقؒ) کے نام طریقے کے بیان میں لکھا ہے درج ہو چکی ہے، اگر کچھ دقت اور پوشیدگی رہ گئی ہو تو اس (مکتوب کی طرف) رجوع کریں۔

عقیدہ (۱۹) ایمان سے مراد جو کچھ دینی امور سے متعلق ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچا ہے اس کی دل سے تصدیق کرنا ہے اور زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کا رکن ہے، جیسا کہ (علماء نے کہا ہے) کہ اس کے بغیر (ایمان کے) منہدم ہونے کا احتمال ہے، اور اس علامت کی تصدیق کفر پر تبری کرنا اور کافری سے اور جو کچھ کافری کے لوازم و خصائص ہیں جیسے زنار کا باندھنا اور اس کے مانند وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے ——— اللہ سبحانہٗ کی پناہ! اگر کوئی اس تصدیق کا بھی دعویٰ کرے اور کفر سے بیزاری کا اظہار نہ کرے تو وہ دونوں دینوں کا تصدیق کرنے والا بن جائے گا جو ارتداد کے داغ سے داغدار ہوگا اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کے حکم میں ہے، لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ (نساء آیت ۱۴۳) (نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے) ——— لہٰذا ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبری (بیزاری کا اظہار) کے بغیر چارہ نہیں۔ تبری کا ادنیٰ درجہ دل سے بیزاری کرنا ہے۔ اور تبری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو، اور تبری سے مراد حق جل و علا کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھنا ہے۔ خواہ دشمنی قلبی ہو جبکہ ان سے نقصان پہنچنے کا خوف ہو، خواہ دل اور جسم دونوں سے ہو جبکہ ان سے ضرر کا خوف نہ ہو۔ آیۂ کریمہ: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ آیت ۷۳) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ) اس مضمون کی تائید کرتی ہے ——— ——— کیونکہ خدائے عزوجل کی محبت اور اس کے رسول علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرع صادق آتا ہے۔ ع

تولّی بے تبرّی نیست ممکن (حُبِّ حق کے واسطے ہے غیر سے نفرت ضرور)

شیعہ (فرقہ) نے جو یہ قاعدہ اہل بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہے اور تینوں خلفاؓ اور اور ان کے علاوہ اکثر صحابہؓ پر تبری کرنا اہل بیت کی دوستی کی شرط قرار دیا ہے نامناسب ہے، کیونکہ

Marfat.com

دوستوں کی محبت کے لئے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبری کیا جائے، نہ کہ مطلق طور پر دشمنوں کے علاوہ دوسروں سے بھی ہو۔ اور کوئی عقلمند منصف اس بات کو تجویز نہیں کرتا کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اہل بیت و عترت کے دشمن ہوں، اور حالانکہ ان بزرگواروں نے آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں اپنے اموال اور جانوں کو صرف کر دیا اور اپنی عزت و حکومت کو برباد کر دیا تو اہل بیت سے ان کی دشمنی کس طرح منسوب کی جا سکتی ہے، جبکہ نص قطعی سے آں سرور عالم علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قرابت داروں کی محبت ثابت ہے۔ اور دعوت کی اجرت کو اُن کی محبت قرار دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (شوریٰ ۴۲ آیت ۲۳) (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اہل قرابت کی دوستی کے علاوہ کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ اور جو شخص ایک نیکی کمائے گا ہم اس کی نیکیوں میں اور زیادتی کر دیں گے)۔

اور حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو یہ بزرگی حاصل ہوئی اور "شجرۂ انبیا" بن گئے، یہ سب اس تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ (علی الاعلان) تبری کرنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (ممتحنہ ۶۰ آیت ۴) (تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بیزار ہیں، اور ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جبتک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ)۔

اور اس فقیر کی نظر میں رضائے حق جل وعلا حاصل کرنے کے لئے اس تبری (بیزاری) کے اظہار کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ (یہ فقیر اپنے ذوق میں) پاتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر و کافری کے ساتھ ذاتی عداوت ہے۔ اور یہ آفاقی آلہہ مثلاً لات و عزیٰ اور ان کی پوجا کرنے والے ذاتی طور پر حق جل سلطانہٗ کے دشمن ہیں، اور دوزخ کا دائمی عذاب اس بُرے فعل کی سزا ہے۔ اور خواہش نفسانی کے آلہہ اور تمام بُرے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے کیونکہ ان کی عداوت اور غضب

Marfat.com

ذاتی نسبت سے نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو وہ صفات کی طرف منسوب ہے، اور اگر عقاب و عتاب (عذاب و غصہ) ہے تو افعال کی طرف راجع ہے، لہٰذا دوزخ کا دائمی عذاب اُن کے گناہوں کی سزا نہیں ہوئی بلکہ (حق تعالیٰ نے) ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر رکھا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت تحقیق ہو چکی تو لازماً رحمت و رافت جو صفاتِ جمال میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی، اور رحمت کی صفت ذاتی عداوت کو دور نہیں کرے گی۔ کیونکہ جو چیز ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ قوی اور بلند ہے، لہٰذا مقتضائے صفت (صفت کے تقاضے) مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتے ——— اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ[1] (میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) ——— اس غضب سے مراد غضبِ صفاتی سمجھنا چاہیے جو گنہگار مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں کافروں کو رحمت سے حصہ حاصل ہے، جیسا کہ تو نے مندرجہ بالا عبارت میں تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دنیا میں خاص کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہری طور پر اور صورت کے اعتبار سے ہے لیکن حقیقت میں وہ ان کے حق میں استدراج اور کید (دھوکہ) ہے، ان کے حق میں آیہ کریمہ: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرَاتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (مومنون آیت ۵۵، ۵۶) (کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد میں جو ان کو ترقی دے رہے ہیں تو اس سے ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ ان کو اس (حکمت) کا شعور نہیں ہے) ——— اور آیہ کریمہ: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ (اعراف آیت ۱۸۲، ۱۸۳) (ہم ان کو (جہنم کی طرف) اس طرح آہستہ آہستہ لے جاتے ہیں جس کی ان کو خبر نہیں ہوتی اور ہم ان کو مہلت دیتے ہیں بیشک ہماری تدبیر بہت مضبوط ہے) ان ہی معنی پر شاہد ہیں۔ پس سمجھ لو۔

فائدہ جلیلہ: دوزخ کا دائمی عذاب کفر کی جزا (بدلہ) ہے اور بس ——— اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان کے باوجود کفر کی رسمیں بجا لاتا اور اہلِ کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے، اور علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں

---

[1] بخاری و مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

Marfat.com

اور مرتد سمجھتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ لہذا چاہیے کہ علماء کے فتوے کے موجب وہ شخص آخرت میں بھی ابدی عذاب میں گرفتار ہو، حالانکہ اخبارِ صحاح (صحیح احادیث) میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے۔ آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے؟ —— (جواب) میں کہتا ہوں اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کا نصیب ہے، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْہُ (اللہ سبحانہ کی اس سے پناہ)۔ اور اگر کفر کی رسومات بجالانے کے باوجود ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا تو ہوگا لیکن اس ذرہ برابر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ ابدی عذاب سے خلاصی ہو جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پالے گا۔

فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی مزاج پرسی کے لیے گیا جس کا معاملہ نزع و موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب فقیر اس کے حال پر متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب "ظلمات بسیار" (بہت زیادہ ظلمتوں) میں گھرا ہوا ہے، ہر چند ان ظلمتوں کے دور کرنے میں متوجہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر بہت زیادہ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ظلمات و تاریکیاں "صفاتِ کفر" کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں، اور یہ کدورتیں اس کے کفر اور اہلِ کفر کے ساتھ دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، اور توجہ کرنے سے یہ ظلمتیں دور نہیں ہو سکتیں بلکہ ان ظلمات کا رفع دوزخ کے عذاب پر وابستہ ہے جو کفر کی جزا ہے —— نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا —— اور جب اس کے حال کو مشاہدہ کر لیا تو اب دل میں آیا کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہیے —— لہذا وہ مسلمان جو ایمان کے باوجود اہلِ کفر کی رسومات بجالاتے ہیں اور (ہندوؤں کے) تہواروں کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے اور ان کو کفار کے ساتھ نہیں ملا دینا چاہیے جیسا کہ آجکل علماء کا معمول ہے —— اور امیدوار رہنا چاہیے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

ذرہ برابر ایمان کی برکت

پس معلوم ہوا کہ اہلِ کفر کے لئے عفو و مغفرت نہیں ہے۔ (آیہ کریمہ) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (نساء آیت ۴۸) (بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے گا جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا) —— اور اگر وہ محض کافر ہے تو عذاب ابدی اس کے کفر کی جزا ہے۔ اور اگر ذرہ برابر بھی ایمان

Marfat.com

رکھتا ہے تو اس کی جزا "عذابِ موقت" (وقتی عذاب) ہے، اور باقی تمام کبیرہ گناہوں کو اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ چاہے تو بخش دے اور چاہے عذاب دے ——— فقیر کے نزدیک "عذابِ دوزخ" خواہ وقتی ہو یا دائمی، کفر اور صفاتِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ آگے تحقیق سے معلوم ہوگا ——— اور کبیرہ گناہ والے جن کے گناہ توبہ، شفاعت یا صرف عفو واحسان کے ساتھ مغفرت کے قابل نہیں ہوتے، یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیاوی تکالیف یا سختیوں اور سکراتِ موت سے نہیں ہوا، امید ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض کو قبر کا عذاب کفایت کرے گا اور بعض کے لئے قبر کی سختی کے باوجود قیامت کا خوف اور اس دن کی تکالیف کافی ہوں گی اور ان کے گناہوں میں سے کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑیں گے جس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوں چنانچہ آیۂ کریمہ: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ (انعام آیت ۸۲) (جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کرتے ان کے لئے امن وسلامتی ہے)۔ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (اور اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو بہتر جانتا ہے)۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ کفر کے علاوہ بعض گناہوں کی سزا بھی عذابِ دوزخ آئی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا[1] (نساء آیت ۹۳) (جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا) ——— اور اخبار (احادیث شریفہ) میں ہے کہ جو شخص قصداً ایک نماز فرض قضا کرے تو اس کو ایک حقبہ (یعنی اسی سال) دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ لہذا دوزخ کا عذاب صرف کافروں کے لئے ہی مخصوص نہ رہا (اور تم کہتے ہو کہ دوزخ کا عذاب کافروں کے لئے ہی مخصوص ہے) ——— (جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہ عذاب اس قاتل کے لئے مخصوص ہے جو قتل کو حلال جانے کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں کے لئے بھی دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی

---

[1] پوری آیت ملاحظہ ہو جو موجودہ حالات میں نہایت اہم اور قابلِ غور ہے: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (سورہ نساء آیت ۹۳) (اور جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے)۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا "خبردار میرے بعد کفار کی طرح گمراہ نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو ..... تمہارے خون اور تمہارے مال تم میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن (یوم عرفہ) تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے

صفاتِ کفر کے شائبہ سے خالی نہیں ہے جیسا کہ اس گناہ کو معمولی سمجھنا اور اس کے ارتکاب کے وقت بے پروائی کرنا اور شرعی اوامر و نواہی کو بیکار و خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ —— اور خبر (حدیث) میں ہے: شَفَاعَتِی لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی[1] (میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی) —— اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: اُمَّتِی اُمَّۃٌ مَرْحُوْمَۃٌ لَا عَذَابَ لَھَا فِی الْاٰخِرَۃِ[2] (میری امت امتِ مرحومہ (رحم کی ہوئی) ہے اس کے لئے آخرت میں عذاب نہیں ہے) —— اور آیۂ کریمہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ (انعام آیت) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کیا ان ہی کے لئے امن ہے) بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اور مشرکوں کے بچوں کے احوال، اور پہاڑوں پر رہنے والے، اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں کا حال، اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۵۹) میں جو فرزندی محمد سعیدؒ کے نام تحریر ہوا ہے مفصل مذکور ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کرلیں۔

اور ایمان کے کم و زیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم) —— اور امام شافعی رحمہ اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں: یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ (ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے) —— اور اس میں شک نہیں کہ ایمان سے مراد تصدیق اور یقین قلبی ہے جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہیں، لہٰذا جو ایمان کہ کمی و زیادتی کو تسلیم کرے وہ دائرۂ ظن میں داخل ہے نہ کہ یقین کے درجہ میں —— ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمالِ صالحہ کا بجا لانا اس یقین کو جلا دیتا ہے اور غیر صالح اعمال کا بجا لانا یقین کو مکدر کر دیتا ہے۔ لہٰذا (ایمان کی) کمی و زیادتی اعمال کے اعتبار سے اس یقین کو روشن و جلا کرنے میں ثابت ہوتی نہ کہ نفسِ یقین میں۔ —— ایک جماعت جس نے یقین کو جلا یافتہ اور روشن معلوم کیا تو اس نے اس یقین کی نسبت جو جلا یافتہ اور روشن نہیں، زیادہ کہہ دیا۔ گویا بعض لوگوں نے غیر متجلی یقین کو یقین ہی نہیں سمجھا اور انہی میں سے بعض نے متجلی کو یقین جان کر غیر متجلی کو ناقص کہہ دیا —— اور دوسرے گروہ نے جو نظر کی تیزی اور بصیرت رکھتے تھے دیکھا کہ یہ کمی و زیادتی یقین کی صفات کی طرف راجع ہے نہ کہ نفسِ یقین کی طرف۔

---

[1] اس حدیث کو ترمذی، ابو داؤد نے حضرت انسؓ سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔
[2] اس حدیث کو خطیب اور ابن النجار نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔

Marfat.com

اس وجہ سے انھوں نے یقین کو غیر زائد و ناقص کہدیا ——— اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن روشنی اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں، جب ایک شخص اس آئینے کو دیکھتا ہے جس میں جلا اور روشنی زیادہ ہے اور وہ نور اور روشنی کی نمایندگی زیادہ کرتا ہے تو وہ کہا ٹھتا ہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینے سے زیادہ روشن ہے کیونکہ اس میں جلا اور روشنی زیادہ نہیں ہے۔ اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ یہ دونوں آئینے (کمی و زیادتی میں) برابر ہیں البتہ فرق صرف جلا کی نمایندگی کا ہے جو ان دونوں کی صفات ہیں ——— پس دوسرے کی نظر صائب ہے اور شئے کی حقیقت تک رسائی رکھتا ہے اور پہلے شخص کی نظر ظاہر پر ہے لہذا کوتاہ ہے اور صفت سے ذات تک نہیں پہنچی ہے آیۂ کریمہ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ آیۃ ۱۱) (اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کر دے گا)۔

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لئے اس فقیر کو توفیق بخشی گئی، مخالفین کے اعتراضات جو جو انھوں نے ایمان کے زیادہ اور کم نہ ہونے پر کئے تھے زائل ہو گئے، اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کے مثل نہیں ہوا، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان تمام تر جلا یافتہ و نورانی ہے جو ثمرات و نتائج کئی گنا (زیادہ) رکھتا ہے اُن عام مومنوں کے ایمان کے مقابلہ پر جو اپنے اپنے درجات کے فرق کے لحاظ سے بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے ——— اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان جو وزن میں تمام امت کے ایمان سے زیادہ ہے اس کو بھی جلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے اور زیادتی کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیئے ——— کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات نفس انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت و ذات میں سب باہم متحد ہیں لیکن صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ان (انبیاءؑ) کو دوسرے (انسانوں) پر فضیلت حاصل ہے اور جس میں صفات کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج اور اس کے فضائل و خصائص سے محروم ہے لیکن اس تفاوت کے باوجود نفسِ انسانیت میں زیادتی و کمی واقع نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے)۔

Marfat.com

ایسا ہی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ "تصدیقِ ایمانی" سے مراد ان کے نزدیک تصدیقِ منطقی ہے جو ظن اور یقین دونوں کو شامل ہے، اس صورت میں "نقصِ ایمان" میں کمی و زیادتی کی گنجائش ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد یقین و اذعانِ قلبی (دل سے قبول کر لینا ہے) نہ کہ عام معنی میں جس میں ظن بھی شامل ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں "اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا (میں یقیناً مومن ہوں)۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں "اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (میں مومن ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے) ——— حقیقت میں یہ اختلاف "نزاعِ لفظی" ہے۔ مذہبِ اول (پہلے قول) کا تعلق ایمانِ حال سے ہے، اور مذہبِ ثانی (دوسرے قول) کا تعلق مآل و عاقبت کار سے ہے، لیکن صورتِ استثناء سے پرہیز کرنا اولیٰ و احوط ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُنْصِفِ (جیسا کہ منصف لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ (۲۰) - اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں اور ان سے بکثرت خوارقِ عادات واقع ہونے کی وجہ سے ان کی بیبات عادتِ مستمرہ (دائمی) بن گئی ہے، اور کرامات کا انکار کرنے والا علم عادی اور ضروری کا انکار کرنے والا ہے۔ نبی کا معجزہ نبوت کے دعوے سے مقرون (ملا ہوا) ہوتا ہے، اور ولی کی کرامت اس معنی میں خالی ہے بلکہ اس نبی کی پیروی کے اعتراف کے ساتھ مقرون (ملی ہوئی) ہوتی ہے۔ فَلَا اِشْتِبَاہَ بَیْنَ الْمُعْجِزَۃِ وَالْکَرَامَۃِ کَمَا زَعَمَ الْمُنْکِرُوْنَ (لہٰذا معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں ہے جیسا کہ منکروں نے گمان کیا ہے)۔

عقیدہ (۲۱) - اور خلفائے راشدین کے درمیان افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اکابرین ائمہ کی ایک جماعت نے جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں جنھوں نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ "شیخ الامام ابو الحسن[1] اشعریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی تفضیل پھر حضرت عمرؓ کی تفضیل بقیہ تمام امت پر قطعی ہے" ———
اور امام ذہبیؒ[2] نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کا یہ قول ان کی خلافت و مملکت کے زمانے میں آپ کے متبعین میں سے

---

[1] امام ابو الحسن اشعریؒ فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد تھے۔ سنہ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر تک آپ فرقۂ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے۔ بعد میں فقہ شافعی کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا۔ تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے معتقدین میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے مثلاً باقلانی، ابن فورک، اسفرائنی، القشیری، الجوینی اور امام غزالیؒ ہیں۔ سنہ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔

[2] یعنی شمس الدین ابا عبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ (کشف الظنون)

ایک جم غفیر کے سامنے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اِنَّ اَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ اَفْضَلُ الْاُمَّۃِ (ابو بکرؓ اور عمرؓ تمام امت میں افضل ہیں) ـــــ پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو اسّی سے زیادہ راویوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے[2] ـــــ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے یہ کیسے جاہل ہیں ـــــ اور بخاری نے ان (حضرت علیؓ) سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ اِبْنُہٗ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِیَّۃِ ثُمَّ اَنْتَ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں بہتر حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ ہیں پھر ایک اور شخص۔ (اس پر) آپ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے کہا کہ پھر آپ۔ (اس بات پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں)۔

امام ذہبیؒ نے حضرت علیؓ سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں (شیخین) پر فضیلت دیتے ہیں، لہٰذا جو بھی مجھ کو ان پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری (جھوٹا) ہے اور اس کے لئے وہ سزا ہے جو ایک مفتری کی ہوتی ہے ـــــ اور دار قطنی نے آپ (حضرت علیؓ) سے روایت کی ہے کہ میں جس کو پاؤں گا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ پر مجھے فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ایک مفتری کو لگنے چاہئیں ـــــ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں خود حضرت علیؓ سے اور آپ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرامؓ سے اس کثرت اور تواتر سے آئی ہیں جس میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ـــــ حتیٰ کہ عبد الرزاق جو اکابر شیعہ سے ہے کہتا ہے کہ اُفَضِّلُ الشَّیْخَیْنِ بِتَفْضِیْلِ عَلِیٍّ اِیَّاہُمَا عَلٰی نَفْسِہٖ وَاِلَّا لَمَا فَضَّلْتُہُمَا کَفٰی بِیْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّہٗ ثُمَّ اُخَالِفَہٗ (میں شیخین کو اس لئے فضیلت دیتا ہوں کہ خود حضرت علیؓ نے اپنے اوپر اُن کو فضیلت دی ہے ورنہ میں ان (شیخین) کو کبھی فضیلت نہ دیتا، میرے نزدیک یہ گناہ ہے کہ میں اُن (حضرت علیؓ) سے محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان (کے اقوال) کی مخالفت کروں) ـــــ یہ سب کچھ صواعق[1] سے لیا گیا ہے۔

لیکن اب رہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت،

[2] اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔

---

[1] الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ" یہ امام علامہ فقیہ محدث شہاب الدین احمد ابن حجر الہیتمی المکی کی تصنیف ہے۔

سو اکثر علمائے اہلِ سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد حضرت عثمانؓ افضل ہیں پھر ان کے بعد حضرت علیؓ۔ اور ائمۂ اربعہ[1] مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے بارے میں امام مالکؒ سے جو توقف نقل کیا ہے، اس کے متعلق قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کی طرف رجوع کر لیا ہے ——— اور قرطبیؒ نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی اصح ہے ——— اور اسی طرح وہ توقف جو بعض نے امام اعظم رحمہ اللہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ (اہلِ سنت والجماعت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ شیخین کو فضیلت دی جائے اور ختنین (دونوں دامادوں) (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) سے محبت کی جائے)۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے میں ایک دوسرا محمل ہے کہ حضرات ختنین کی خلافت کے زمانے میں بہت زیادہ فتنے و فساد پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے امام (ابو حنیفہؒ) نے اس بات کو مد نظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو علاماتِ اہلِ سنت سے قرار دیا ہے، بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو، اور کیسے توقف ہو سکتا ہے کیونکہ حنفیوں کی کتابیں ایسے مضامین سے بھری پڑی ہیں کہ ان (خلفائے راشدین) کی فضیلت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔

مختصر یہ کہ شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اُن سے کم درجہ کی ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے منکر کو بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں البتہ ان کو بدعتی و گمراہ جانیں، کیونکہ ان کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے، اس کا منکر یزید کا ساتھی ہے اسی احتیاط کی بنا پر اس (یزید) کے لعن طعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ اور وہ ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو خلفائے راشدین کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت امامین (حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ) کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے۔

---

[1] یعنی فقہ کے چاروں امام حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ

Marfat.com

آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ (میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ (ملامت) نہ بنانا، جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میری دشمنی کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے گویا مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو ایذا دی (یعنی اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا) اور جس نے اللہ تعالیٰ (اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایذا دی قریب ہے وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے مواخذہ کرے گا)۔ــــــــ اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (احزاب آیت ۵۷) (بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے)۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس فضیلت کے بارے میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دُور ہے اور جو تردید انھوں نے کی ہے وہ سراسر لا حاصل ہے کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو خدائے جل وعلا کے نزدیک کثرت ثواب کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل ومناقب بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہو کیونکہ ایسی فضیلت عقلمندوں کے نزدیک اعتبار کے لائق ہے۔ اور سلفِ صحابہ وتابعین نے جس قدر فضائل ومناقب حضرت امیرؓ کے نقل کئے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ــــــــ حتیٰ کہ امام احمدؒ نے فرمایا "جو فضائل حضرت علیؓ کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے" ــــــــ اس کے باوجود وہ تینوں خلفاء کی فضیلت کے بارے میں حکم کرتے ہیں ــــــــ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل ومناقب کے علاوہ کچھ اور ہے، اور اُس افضلیت کی اطلاع "دولت وحی" کے مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنھوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کیا ہے اور وہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہؓ ہیں ــــــــ لہٰذا جو کچھ کہ شارح عقائد نسفی نے بیان کیا ہے کہ افضلیت سے مراد کثرتِ ثواب ہے تو توقف کی گنجائش ہے ساقط ہے کیونکہ توقف کے لئے

لہ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے روایت کیا۔

Marfat.com

اس وقت کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ اس افضلیت کو صراحۃً یا دلالۃً معلوم نہ کرلیا ہو۔ اور جب معلوم کرلیا ہے تو پھر توقف کیوں۔ اور اگر معلوم نہیں کیا تو افضلیت کا حکم کیوں کریں ——— اور جو شخص سب کو برابر سمجھتا ہے اور ایک دوسرے پر افضلیت دینا بیکار سمجھتا ہے وہ فضول اور لاحاصل ہے۔ وہ عجیب احمق ہے جو اہلِ حق کے اجماع کو فضول و بیکار سمجھتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف لے گیا ہے ——— اور جو کچھ صاحبِ فتوحات مکیہ کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدتوں سے ہے۔ (یہ بات) ان کی فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ خلافت کا معاملہ دوسرا ہے اور افضلیت کی بحث دوسری ——— اور اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں ان (شیخ اکبرؒ) کی شطحیات سے ہیں ان کی شان کے لائق نہیں ہیں، ان کے اکثر کشفیہ معارف جو اہلِ سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں وہ صواب سے دور ہیں، لہٰذا ایسی باتوں کی متابعت وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلدِ محض ہے۔

اور صحابہؓ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ان کی اچھے معنوں میں تاویل کرنی چاہیئے اور نفسانی خواہش و تعصب سے دور رکھنا چاہیئے ——— تفتازانیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افراطِ محبت کے باوجود فرماتے ہیں "جو مخالفات و محاربات (جنگ و جدال) ان (صحابہؓ) کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کا نزاع نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی کے سبب سے تھا ———

اور اس (شرح عقائد) کے حاشیہ خیالیؒ میں ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر نے حضرت علیؓ کی اطاعت سے بغاوت کی اور ساتھ ہی اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ وہ (حضرت علیؓ) تمام اہلِ زمانہ سے افضل ہیں اور وہ امامت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک شبہ کی وجہ سے، کہ حضرت علیؓ کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینا تھا ——— اور حاشیہ قرہ کمال (الدین اسمٰعیل) میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہمارے جن بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی وہ فاسق و کافر نہیں ہیں کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے" ——— اور اس میں شک نہیں کہ خطائے اجتہادی ملامت اور طعن و تشنیع سے بہت دور ہے ———

حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کے حقوقِ صحبت کی رعایت کر کے تمام صحابہ کرامؓ کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیئے اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی دوستی کا

---

[1] احمد بن موسیٰ خیالی کے نام سے مشہور ہیں۔ سنہ ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔ (کشف الظنون)

Marfat.com

وجہ سے ان کو دوست رکھنا چاہیے ــــ (کیونکہ) آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ (جس نے اُن (صحابہؓ) کو
دوست رکھا اس نے میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے میرے ساتھ بغض
کی وجہ سے ان سے بغض رکھا) ۔ یعنی وہ محبت جو صحابہ سے متعلق کی گئی ہے ایسی ہی محبت ہے جیسی کہ مجھ سے
متعلق ہے اور اسی طرح وہ بغض جو ان سے تعلق رکھتا ہے ایسا ہی بغض ہے جیسا کہ مجھ سے کیا جائے۔

ہم کو حضرت امیر (علیؓ) کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے کوئی دوستی نہیں ہے بلکہ مناسب ہے
کہ ہم ان سے بیزار ہوں، لیکن چونکہ وہ سب پیغمبرؐ کے اصحاب کرام ہیں کہ ما بمحبت ایشاں ماموریم
واز بغض وایذائے ایشاں ممنوع یعنی ہم کو اُن کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے اور اُن کے ساتھ بغض و ایذا رسانی
سے روک دیئے گئے ہیں۔ اس لئے لازماً ہم بھی پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے
تمام صحابہؓ کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض و ایذا رسانی سے دُور رہتے ہیں کیونکہ ان سے بغض و
ایذا کا معاملہ سرورِ عالم تک پہنچتا ہے۔ لیکن جو محق (حق پر) ہے ہم اس کو حق والا ہی کہیں گے اور
مخطی (بلا قصد خطا وار) کو مخطی ــــ حضرت امیر (علیؓ) حق پر تھے اور ان کے مخالف
خطا پر، اس سے زیادہ کہنا فضول ہے ــــ اس بحث کی تحقیق کا تفصیل سے ذکر
اس مکتوب (۲۵۱ دفتر اول) میں درج ہے جو خواجہ محمد اشرف کو لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی بات پوشیدہ
رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع فرمائیں۔

تصحیح عقائد کے بعد احکام فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بغیر چارہ نہیں، اور فرض و واجب، حلال و حرام،
سنت و مستحب، مشتبہ و مکروہ کی واقفیت بھی ضروری ہے اور اسی طرح علمِ (فقہ) کے تقاضے کے
مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروریاتِ (دین) میں سے سمجھیں اور اعمالِ
صالحہ کی بجا آوری کی رعایت میں سعیِ بلیغ فرمائیں، اور نماز جو کہ دین کا ستون ہے اس کے چند ارکان
فضائل بیان کئے جاتے ہیں، غور سے سنیں۔

اول وضو کامل اور پورے طور پر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار بتمام و کمال
دھونا چاہیئے تاکہ سنت کے طریقہ پر وضو ادا ہو، اور سر کا مسح بالاستیعاب یعنی سارے سر کا مسح کرنا چاہیئے
اور کانوں اور گردن کے مسح میں خوب احتیاط کرنی چاہیئے اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلیا سے

Marfat.com

پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجالانے کو معمولی نہ سمجھیں، مستحب حق جل و علا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو غنیمت ہے اس کا بعینہ یہی حکم ہے کہ کوئی چند خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے نفیس جواہر خرید لے اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرے ——— کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیے جو "مومن کی معراج" ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ فرض نماز باجماعت ادا ہوں بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہیے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیے، قرأت میں قدر مسنون کو مد نظر رکھنا چاہیے ——— رکوع و سجود میں بھی طمانیت ضروری ہے کیونکہ فرض ہے یا بقول مختار واجب، ——— قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑے ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے کیونکہ طمانیت فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال۔ ——— ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسا کہ قومہ میں ——— اور رکوع و سجود کی کم سے کم تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں علی اختلاف الاقوال ——— اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ کے مطابق ہونی چاہیے ——— شرم کی بات ہے کہ انسان تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے اقل تسبیحات پر کفایت کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے ——— اور سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اول دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، زانو اور ہاتھ زمین پر رکھتے وقت دائیں طرف سے ابتدا کی جائے ——— اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضا کو اٹھانا چاہیے جو آسمان سے نزدیک ہیں، پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہیے ——— اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر، اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدے میں ناک کی نوک پر، اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف نظر رکھنی چاہیے ——— جب نظر پراگندہ ہونے سے روک لی جائے اور مذکورہ بالا جگہوں میں جمالی جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ نماز جمعیت اور حضور دل کے ساتھ میسر ہو گی اور خشوع کے ساتھ ادا ہو گی جیسا کہ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے ——— اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے اس کو بھی

Marfat.com

مدِ نظر رکھنا چاہئے ــــــ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب و بے فائدہ نہیں ہے صاحب شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل فرمایا ہے ــــــ نیز صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے ــــــ یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتب فقہ میں درج ہیں، یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجالانے میں ترغیب ہو ــــــ

وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الْاَعْمَالِ الصَّالِحَاتِ الْمُوَافِقَۃِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ بَعْدَ اَنْ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُہَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین علیہ علیہم وعلی آل کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل دینی عقائد کی تصحیح کے بعد علوم شرعیہ کے موافق اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

اگر نماز کے فضائل جاننے اور اس کے مخصوص کمالات معلوم کرنے کا ذوق و شوق اپنے اندر پائیں تو تین مکتوب جو ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں :۔ پہلا مکتوب (۲۶۰) فرزندی محمد صادق کے نام لکھا گیا ہے اور دوسرا مکتوب (۲۶۱) میر محمد نعمان کے نام اور تیسرا مکتوب (۲۶۳) شیخت مآب شیخ تاج کے نام لکھا ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو بازوؤں کے حاصل ہونے کے بعد اگر حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی توفیق رہنمائی فرمائے تو صوفیہ کے عالی طریقہ کا سلوک (اختیار) کرے جو اس غرض سے نہیں کہ وہ اعتقاد و عمل کے علاوہ کوئی زائد چیز ہے یا کوئی نئی چیز حاصل کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ شک ڈالنے والے کی شک اندازی سے زائل نہ ہو، اور شبہ کے پیش آنے سے باطل نہ ہو جائے، کیونکہ بحث و مباحثہ کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں، اور دلائل قائم رہنے والے نہیں ہوتے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد آیت ۲۸ پ ۱۳) (خبردار کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) ــــــ اور اعمال کی بجا آوری کے لئے آسانی اور سہولت حاصل کریں، اور سستی و سرکشی جو نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے اس کو دور کریں۔ اور اسی طرح طریقہ صوفیہ کے سلوک کا مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور طرح طرح کے انوار کا معائنہ کریں یہ تو خود لہو و لعب میں داخل ہیں یہ حسی صورتیں اور انوار کس قدر نقصان رکھتے ہیں

طریقہ صوفیہ کی غرض و غایت

کہ کوئی شخص انوار و صورِ غیبی کی تمنا میں اپنے آپ کو ریاضات و مجاہدات میں لگا دے، کیونکہ یہ (حسی) صورتیں اور وہ (غیبی) صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب کے سب حق جل وعلا کی مخلوق ہیں، اور وہ حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔

اور صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے، اگر ان کو پیروی کی دولت حاصل ہو جائے اور حال و احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود سنت کی پیروی میں سستی اور نقصان جانیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے ——

—— یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال (سماع کے دوران) ان پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے بلکہ ذکرِ جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع فرماتے ہیں، اور وہ ثمرات جو اس کیفیت پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔

ایک دن ہم حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی مجلسِ طعام میں حاضر تھے۔ شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہؒ کے مخلصوں میں سے تھے، انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں بسم اللہ بلند آواز سے کہا۔ آپ کو ناگوار ہوا حتیٰ کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ ان کو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر ہوا کریں —— اور میں نے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ وہ ان کو ذکرِ جہر سے منع فرمائیں۔ چنانچہ علمائے کرامؒ نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکرِ جہر بدعت ہے آپ ایسا نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔

جب اس طریقے کے بزرگوار (صوفیائے ربانی) ذکرِ جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص اور وجد و تواجد کا کیا ذکر۔ وہ احوال و مواجید جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ و معاینہ ان کو بھی ظاہر ہو جاتا ہے اس امر میں حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علومِ شرعیہ کے مطابق ہونا اور محرمہ و مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

Marfat.com

جاننا چاہیے کہ سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں۔ آیۂ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ (سورہ لقمٰن آیت ۶) (اور لوگوں میں (کوئی کوئی) ایسا بھی (نالائق) ہے جو واہیات (وخرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے) سرود سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ مجاہدؒ جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد سرود ہے ——— اور تفسیر مدارک میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد (بعد عشاء) بیہودہ قصے کہانیوں میں وقت گذارنا اور سرود ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس وابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بیشک وہ غنا و سرود ہے ——— حضرت مجاہدؒ اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (الفرقان آیت ۲۵) (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں آی لَا يَحْضُرُوْنَ الْغِنَاءَ (یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے) ——— اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے روایت کی گئی ہے کہ جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو (جو کلماتِ قرآن میں گانے کی طرز پر پڑھنے کی وجہ سے تغیر پیدا کرتا ہے) قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے ——— اور ابو نصیر الدبوسی سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ جس نے گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعلِ حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے خواہ اچھا جاننا اعتقاد کی رو سے ہو یا بغیر اعتقاد کے، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مؤمن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو قبول نہیں کرتا اور اس کی سب نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

سرود و غنا کی حرمت میں آیات و احادیث اور روایات فقہیہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایتِ شاذہ (یعنی غیر معتبر) کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں بھی سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ امام ہمام ضیاء الدین

۱؎ درمختار میں ہے کہ قرآن و اذان میں آواز کو خوبصورتی سے پڑھنا اچھا ہے جبکہ حروف میں تغیر واقع نہ ہوا ہو، اگر تغیر واقع ہوا تو اس کے لئے بھی اور سننے والے کے لئے بھی مکروہ ہے اور اس کو احسنت کہنا یعنی تو نے اچھا کیا اگر اس کے خاموش ہونے کی وجہ سے (بطور دعا کے) ہے تو اچھا ہے اور اگر اس کی اس (گانے کی طرز کی) قرأت کی وجہ سے احسنت کہا تو اس پر کفر کا ڈر ہے۔

Marfat.com

شامی کے رد المختار میں مذکور ہے ــــــ اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہاں تو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل ــــــ اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے: اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا (اعراف آیت ۵۱) (یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے) ــــــ احادیث سابقہ روایت سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص فعلِ حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کس قدر برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس مرض میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تبعین کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرود اور قصیدہ خوانی کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اکثر احباب اس امر میں موافقت کرتے ہیں۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں اگرچہ فی الحقیقت وہ اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے احباب اس ارتکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے ــــــ ایک طرف حرمتِ شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت ہوئی، نہ اہلِ شریعت اس فعل سے راضی اور نہ اہلِ طریقت۔ ــــــ اگر حرمتِ شرعی نہ بھی ہوتی تو بھی طریقت میں کسی نئے امر کا پیدا کرنا برا ہوتا، پھر ایسا امر کس طرح برا نہ ہو جبکہ حرمتِ شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے ــــــ مجھے یقین ہے کہ جناب مرزا جیو (یعنی خواجہ حسام الدین صاحب) اس امر سے راضی نہ ہوں گے لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع بھی نہ کرتے ہوں گے اور دوستوں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے ــــــ اس فقیر نے چونکہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا اس لئے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جیو کی خدمت میں پیش کر دیں، اور اول سے آخر تک اُن کے سامنے پڑھیں۔

والسلام

Marfat.com

خان جہاں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اہلِ سنت وجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے
عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور کلمۂ حق کہنے کی ترغیب میں یعنی اسلام کی باتیں
بادشاہِ وقت (جہانگیر) کے گوش گزار کرنے اور اس کے مناسب بیان میں ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ

آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے کرم والتفات فقرائے خستہ حال کے نام تحریر کیا تھا موصول ہوا ۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ اس پُرفتن زمانے میں بھی سعادت مند اغنیاء (دولتمند حضرات) اپنے حسنِ فطرت کی وجہ سے بے مناسبتی کے باوجود دُور افتادہ فقراء کے ساتھ عجز ونیاز سے پیش آتے ہیں اور اس گروہ کے ساتھ ایمان واعتبار رکھتے ہیں ۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ متفرق تعلقاتِ (دنیاوی) کے باوجود اس دولت (عقیدت) کے حصول میں کوئی چیز مانع نہیں ہوئی اور مختلف امور میں منقسم توجہ نے ان درویشوں کی محبت سے باز نہیں رکھا ، اس نعمتِ عظمیٰ کا بھی شکر بجا لانا چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کیونکہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے ، اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری ومسلم) (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے)

اے سعادت ونجابت کے نشان والے ! آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقائد کو فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو سوادِ اعظم اور جمِ غفیر ہیں کے عقائد کے موافق درست کرے تاکہ فلاح ونجاتِ اُخروی متصور ہو سکے ۔ خبثِ اعتقاد یعنی بداعتقادی جو اہلِ سنت وجماعت کے مخالف ہے زہرِ قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب وعتاب تک پہنچا دیتی ہے ۔ عمل میں سستی اور کاہلی ہو تو مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقاد کی خرابی اور کمزوری میں مغفرت

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ ۔ آپ کا نام پیر خاں اور لقب خان جہاں ، ابن دولت خاں لودھی شاہو خیل کے قبیلے سے تھے شہزادہ دانیال کا تقرب حاصل کر کے جہانگیر کے امرا میں شامل ہو گئے ۔ آپ بڑے صاحب علم ودعوت تھے اور علماء سے بہت محبت کرتے تھے عوام کے ساتھ بھی اچھا سلوک تھا ۔ جہانگیر کو آپ پر بہت اعتماد تھا اور اس درجہ محبت تھی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں بادشاہ ہوا تو خان جہاں اس سے مشکوک ہو گیا اور اس کے خلاف بغاوت کر دی ۔ شاہجہاں نے اس پر لشکر کشی کر کے ۱۰۴۰ھ میں قتل کرا دیا ۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۹)

Marfat.com

کی گنجائش نہیں ہے (حق تعالیٰ فرماتا ہے) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء آیت ۴۸) (بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیگا)

اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات[۱] مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ان کے مطابق اپنے عقائد کو درست کر لینا چاہیے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اس دولتِ (عقائد) پر استقامت کا سوال کرنا چاہیے :۔

(عقیدہ ۱) جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ قدیم کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیا اس سبحانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور وہ بلند و برتر ہستی ان کو پیدا کر کے عدم سے وجود میں لائی ہے لہٰذا حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور تمام اشیاء حادث اور نوپید (بعد کی پیدا کی ہوئی) ہیں۔ اور (حق تعالیٰ) جو قدیم و ازلی ہے وہ باقی اور ابدی ہے اور جو چیزیں حادث اور نوآمدہ (نئی پیدا شدہ) ہیں وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں یعنی معرضِ زوال (زوال کے میدان) میں ہیں۔

(عقیدہ ۲) حق سبحانہٗ ایک ہے، یگانہ اور منفرد ہے، وجوبِ وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبادت کا استحقاق بھی کسی کو نہیں ہے۔ وجوبِ وجود اس تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے شایاں نہیں اور نہ اس سبحانہٗ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق ہے اور خاص اسی تعالیٰ کے لئے صفاتِ کاملہ ہیں۔

(عقیدہ ۳) منجملہ ان میں (حق تعالیٰ کی صفات) یہ ہیں : حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، ارادہؔ، سمعؔ، بصرؔ، کلامؔ اور تکوینؔ ہیں۔ جو کہ قِدم اور ازلیت (قدیم اور ازلی) صفات سے متصف ہیں، اور حضرتِ ذاتِ جل سلطانہٗ کے ساتھ قائم ہیں۔ حوادث کے تعلقات صفات کے قدیم ہونے میں خلل انداز نہیں ہوتے اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کا مانع نہیں ہوتا۔ فلاسفہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اور معتزلہ اپنے اندھے پن کے باعث حدوثِ متعلَّق سے حدوثِ متعلِّق کو وابستہ کرتے ہیں اور صفاتِ کاملہ کی نفی کرتے ہیں، اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے کہ جس سے تغیر لازم آتا ہے جو حدوث کی علامت ہے۔ (فلاسفہ اور معتزلہ) یہ بھی نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہوتی ہیں۔ اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادثہ متعلقات کے ساتھ ہیں وہ بھی حادثہ ہوتے ہیں۔

(عقیدہ ۴) اور نقائص کی باتیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جناب قدس سے مسلوب ہیں

---

[۱] اسی طرح عقائد سے متعلق ایک مکتوب ۲۶۶ دفتر اول میں بھی ہے۔

Marfat.com

اور حق تعالیٰ جواہر، اجسام اور اعراض کی صفات و لوازم سے پاک و منزہ ہے نیز زمان و مکان اور جہت کی بھی حضرت حق تعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔ وہ شخص بہت بے خبر ہے جو حق سبحانہ کو فوق العرش جانتا ہے اور فوق کی جہت کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ عرش اور اس کے علاوہ بھی تمام چیزیں حادث ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے کہ وہ خالقِ قدیم کا مکان بن جائے اور اس کی قرار گاہ ہو جائے۔ بس اتنا ضرور ہے کہ عرش اس تعالیٰ کی سب سے اشرف مخلوقات میں سے ہے اور اس میں نورانیت و صفائی تمام ممکنات سے زیادہ ہے اور لازمی طور پر وہ آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس سے حق جل وعلا کی عظمت و کبریائی کا ظہور ہوتا ہے، اس ظہور کے تعلق کی وجہ سے اس کو "عرش اللہ" کہتے ہیں، ورنہ عرش وغیرہ تمام اشیا اس تعالیٰ کے نزدیک ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں۔ لیکن عرش کو نمائندگی (آئینہ داری) کی قابلیت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ آئینہ جو کسی شخص کی صورت ظاہر کرتا ہے (اس کے متعلق) یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص آئینے میں موجود ہے بلکہ اس شخص کی نسبت اور دوسری تمام اشیاء کی نسبت آئینے کے سامنے برابر ہے۔ صرف قبول کرنے کی قابلیت کا فرق ہے کہ آئینہ اس شخص کی صورت قبول کر کے ظاہر کرتا ہے اور دوسروں میں یہ قابلیت نہیں ہے۔

(عقیدہ ۵) حق سبحانہ و تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ محدود ہے نہ متناہی نمبرہ ۵۱ نہ طویل ہے نہ عریض، نہ دراز ہے نہ کوتاہ، نہ فراخ ہے نہ تنگ، بلکہ واسع ہے لیکن ایسی وسعت نہیں جو ہماری سمجھ میں آسکے، اور محیط ہے لیکن ایسا احاطہ نہیں جو ہمارے ادراک میں آسکے، وہ قریب ہے لیکن ایسا قرب نہیں جو ہماری عقل میں آجائے، وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ایسی معیت نہیں جو عام طور پر متعارف ہے۔ پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ (حق تعالیٰ) واسع ہے، محیط ہے، ہمارے قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسی ہے، اور ہم جو کچھ جانتے ہیں بس جانتے ہیں (اگر اس کی ذات کے جاننے کے بارے میں کچھ بیان کریں تو) مجسمہ (یعنی جسم کا قائل ہونا) کے مذہب میں قدم رکھتا ہے۔

❋

عقیدہ ۶) حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے، اور نمبرہ ۶۱ نہ ہی کوئی چیز اس تعالیٰ میں حلول کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ تبعض (حصہ حصہ ہونا)

Marfat.com

تجزّی (جز جز ہونا) اس کی جنابِ قدس میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل (جڑنا اور پارہ پارہ ہونا) بھی حضرت جل شانہٗ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا مثل اور ہم جنس بھی کوئی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے بیوی بچے، حق تعالیٰ کی ذات و صفات بے مثل اور بے کیف ہیں، بے شبہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف ہے جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے لیکن جو کچھ اس سے ہماری فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہماری عقل متصور کرتی ہے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور بلند ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) ؎

دور بینانِ بارگاہِ اَلَست پیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

(بارگاہِ الست جو پہنچے کہہ سکے یہ کہ ہاں وہاں وہ ہے)

یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحبِ شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ اسم جس کا اطلاق شریعت میں حضرت حق سبحانہٗ پر ہوا ہے اس کا اطلاق کرنا چاہئے اور جس اسم کا نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس اسم میں کتنے ہی کمال درجے کے معانی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر "جواد" کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسم آیا ہے مگر (حق تعالیٰ کو) سخی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ (حق تعالیٰ کی یہ صفت شرع میں) نہیں آئی۔

(عقیدہ ۷) قرآن مجید خداوند جل سلطانہٗ کا کلام ہے جس کو حرف و آواز کے لباس میں ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے واسطے کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لا کر ظاہر فرما دیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق جل و علا کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے

Marfat.com

کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول حقیقت ہے اور قسم ثانی مجاز، کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے ——— اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل فرمائی ہیں سب حق سبحانہٗ کا کلام ہیں۔ اور جو کچھ قرآن مجید اور ان کتابوں و صحیفوں میں درج ہے وہ سب خدا وند جل سلطانہٗ کے کلام ہیں جن کا ہر زمانے کے موافق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

(عقیدہ ۸) مومنوں کا حضرتِ حق سبحانہٗ کو بہشت میں بے جہت، بے مقابلہ، بے کیفیت اور بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس رویتِ اُخروی اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے، لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت بے چون و بے مثل ہے، اربابِ چون پر اس دنیا میں اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ سوائے ایمان لانے کے ان کا کوئی نصیب (حصہ) نہیں۔ ——— فلاسفہ، معتزلہ اور باقی تمام دوسرے باطل فرقوں پر افسوس ہے جو اپنی محرومی اور اندھے پن کی وجہ سے رویتِ اُخروی کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

(عقیدہ ۹) حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے وہ افعال خیر ہوں یا شر، سب اسی کی تقدیر و مشیت سے ہیں لیکن خیر سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔ اگرچہ (افعال خیر و شر) دونوں حق سبحانہٗ کے ارادہ اور مشیت سے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیے کہ صرف تنہا "شر" کو سوء ادب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیے اور خالق شر نہ کہنا چاہیے بلکہ خالق خیر و شر کہنا مناسب ہے ——— چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کہنا چاہیے، خَالِقُ الْقَاذُورَاتِ وَالْخَنَازِیرِ (گندگیوں اور خنزیروں کا خالق) نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی جنابِ قدس میں بے ادبی ہے ——— معتزلہ ثنویت یعنی دوئی کے قائل ہونے کے باعث افعال کا خالق بندہ کو جانتے ہیں اور خیر و شر پیدا کرنے کی نسبت کو بندہ کی طرف کرتے ہیں جس کی شرع اور عقل دونوں تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں علمائے حق بندہ کی قدرت کو اس کے فعل میں دخل انداز جانتے ہیں۔ اور بندہ کے لئے کسب کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ حرکتِ رعش (رعشہ والی حرکت) اور حرکتِ مختار (اختیار والی حرکت) میں واضح فرق ہے۔ حرکتِ ارتعاش میں بندہ

کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکتِ اختیاری میں دخل ہے، اور اتنا فرق ہی مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عذاب کو ثابت کرتا ہے ـــــ اکثر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو محض بے چارہ اور عاجز جانتے ہیں۔ ان لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا، بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا اس معنی کے لحاظ سے نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ چاہے کرلے اور جو چاہے نہ کرے، یہ بات بندگی کی حقیقت سے دور ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ مثلاً (بندہ) پانچوں وقت نماز ادا کر سکتا ہے، (مال کا) چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکتا ہے، اور بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھ سکتا ہے، اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ کے ہوتے ہوئے ایک بار حج کر سکتا ہے ـــــ اسی طرح باقی احکامِ شرعیہ ہیں جن میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے بندہ کے ضعف و کمزوری کا لحاظ رکھتے ہوئے سہولت و آسانی کی رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (بقرہ آیت ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا) ـــــ نیز اللہ جل سلطانہٗ فرماتا ہے: یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا (ق آیت ۲۹) (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے (کیونکہ) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے)۔ انسانِ ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور نہ سخت تکالیف برداشت کر سکتا ہے۔

عقیدہ ۱۶ (عقیدہ ۱۶) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات، حق جل شانہٗ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں تاکہ وہ مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور گمراہی سے ہٹا کر سیدھے راستے پر لائیں، اور جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں اور جو کوئی انکار کرے اس کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں، اور جو کچھ انھوں نے حق جل و علا کی طرف سے پہنچایا اور بتایا ہے سب حق اور سچ ہے، اس میں خلاف ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ و علیٰ آلہٖ و علیہم اجمعین خاتم انبیاء ہیں، اور آپ کا دین تمام سابقہ ادیان کا ناسخ ہے، اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) پہلی تمام کتابوں سے بہتر ہے، اور آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ قیامت تک باقی رہے گی

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرما کر آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ہی کے امتی کی حیثیت سے رہیں گے۔

(عقیدہ ۱۱) اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے جو کچھ آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے یعنی ــــ قبر کا عذاب اور اس کی تنگی ــــ منکر نکیر کا سوال ــــ دنیا کا فنا ہونا ــــ آسمانوں کا پھٹ جانا ــــ ستاروں کا پراگندہ ہو جانا ــــ زمین اور پہاڑوں کا اٹھالینا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا ــــ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا ــــ روح کا جسم میں واپس ڈالنا ــــ قیامت کا زلزلہ ــــ قیامت کی ہولناکیاں ــــ اعمال کا محاسبہ ــــ اعمال کے متعلق اعضا کی گواہی ــــ نیکیوں اور برائیوں کے اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھ اڑ کر آنا ــــ میزان کا رکھا جانا تاکہ اس کے ذریعے نیکی اور بدی کی کمی وزیادتی معلوم کریں ــــ اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوا تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہوا تو یہ خسارہ کا نشان ہے ــــ اس میزان کا ہلکا اور بھاری ہونا دنیاوی میزان کے ہلکا اور بھاری ہونے کے برخلاف ہے وہاں جو پلہ اوپر کو جائے گا وہ بھاری ہوگا اور جو پلہ نیچے ہوگا وہ خفیف اور ہلکا ہوگا۔

(عقیدہ ۱۲) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شفاعت حق ہے یعنی اولاً پیغمبر مالک یوم الدین جل سلطانہٗ کی اجازت سے گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین ــــ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ[1] (میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی)۔

(عقیدہ ۱۳) پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور مومن اس پل کو عبور کر کے بہشت میں چلے جائیں گے لیکن کافروں کے پاؤں لڑکھڑا کر دوزخ میں گریں گے۔ یہ بات حق اور ثابت ہے۔

(عقیدہ ۱۴) اور بہشت جو مومنین کو نعمتیں مہیا کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے اور دوزخ جو کافروں کو عذاب دینے کے لئے بنائی گئی ہے، دونوں مخلوق ہیں، ہمیشہ باقی رہیں گے اور کبھی فانی نہ ہوں گے اور حساب وکتاب کے بعد جب مومن بہشت میں چلے جائیں گے تو وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے اور بہشت سے باہر نہیں آئیں گے۔ اور اسی طرح کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ دوزخ ہی میں

---

[1] اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

Marfat.com

رہیں گے اور وہاں دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ (جیسا کہ)
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (بقرہ ۲ آیت ۱۶۲) (نہ تو ان
(کفار) کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی)۔۔۔۔۔۔ اور جس کے
دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ اگرچہ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا لیکن اس کو
بقدرِ عصیان عذاب دے کر آخرِ کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا، نیز اس کے چہرہ کو سیاہ بھی نہیں کیا جائے گا
جبکہ کفار کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا۔ اور حرمتِ ایمان کی وجہ سے گنہگار مومن کی گردن میں طوق و زنجیر
نہیں ڈالی جائے گی، جیسا کہ کفار کے لئے ہوگا۔

عقیدہ ۱۵

(عقیدہ ۱۵) اور فرشتے خداوند جل و علا کے مکرم بندے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہ کے امر کی
نافرمانی کرنا ان کے حق میں جائز نہیں، جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں، عورت
مرد ہونے سے پاک ہیں، توالد و تناسل ان کے حق میں مفقود ہے۔ بعض فرشتوں کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ
نے رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور ان کو وحی پہنچانے کے کام سے مشرف کیا ہے، انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات کی کتابوں اور صحیفوں کو (حق تعالیٰ کی طرف سے) لانے والے بھی یہی ملائکہ ہیں جو خطا و
خلل سے محفوظ اور دشمن کے مکر و فریب سے معصوم ہیں، جو کچھ انہوں نے حضرت حق سبحانہٗ کی طرف
سے پہنچایا ہے سب صدق و صواب ہے اس میں کسی قسم کا شائبۂ احتمال و اشتباہ نہیں۔ اور یہ ملائکہ
حق سبحانہٗ کی عظمت و جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کے اوامر کی تعمیل کے سوا ان کو کچھ کام نہیں ہے۔

عقیدہ ۱۶

(عقیدہ ۱۶) ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی کا، اور جو کچھ دین سے متعلق تواتر
اور یقین کے ساتھ اجمالاً و تفصیلاً ہم تک پہنچا ہے (اس کو صحیح مانا جائے) لیکن اعضا کے اعمال
نفسِ ایمان سے خارج ہیں، البتہ ایمان میں کمال کو بڑھانے والے اور حسن پیدا کرنے والے ہیں۔۔۔
۔۔۔ امام اعظم کوفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایمان، زیادتی و نقصان (یعنی کمی بیشی) کو قبول
نہیں کرتا کیونکہ تصدیقِ قلبی، نفسِ ایمان اور اذعانِ قلب (قلبی یقین) سے عبارت ہے جس میں
کمی و زیادتی کے فرق کی گنجائش نہیں، اور جو فرق کو قبول کرے وہ ظن و وہم کے دائرہ میں داخل
ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص، طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جس قدر طاعت زیادہ ہوگی
اتنا ہی ایمان میں کمال بھی زیادہ ہوگا۔ لہٰذا عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے

Marfat.com

مثل نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ایمان طاعات کی قربتوں کی وجہ سے کمال کے اس عالی مقام پر پہنچ گیا کہ عام مومنوں کا ایمان ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ یہ دونوں ایمان نفسِ ایمان میں شرکت رکھتے ہیں لیکن ان (انبیاء) کے ایمان نے طاعات کی بجاآوری کی وجہ سے ایک اور حقیقت پیدا کرلی ہے، گویا کہ دوسروں کا ایمان اس ایمان کی فرد نہیں ہے اور ان کے درمیان مماثلت و مشارکت مفقود ہے ــــــ اگرچہ عام انسان نفسِ انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ شریک ہیں لیکن دوسرے کمالات کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہت بلند درجات پر پہنچے ہیں اور ایک اور ہی حقیقت حاصل کرلی ہے، گویا کہ حقیقتِ مشترکِ انسانی میں وہ عالی مرتبہ ہیں بلکہ انسان وہی ہیں اور عوام لوگ نسناس (یعنی بن مانس) کا حکم رکھتے ہیں۔ ــــــ امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا (تحقیق میں مومن ہوں) اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (انشاء اللہ تعالیٰ میں مومن ہوں)۔ ہر ایک کے لئے توجیہ ہوسکتی ہے یعنی فی الحال حالتِ ایمان کے اعتبار سے تو کہا جاسکتا ہے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا۔ اور خاتمہ انجام کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے: اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ لیکن یہ قول جس وجہ سے بھی کہا جائے بہرصورت انشاء اللہ کہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

(عقیدہ ۱۷) مومن گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوتا ــــــ منقول ہے کہ ایک روز امام اعظم علیہ الرحمۃ علماءِ کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ "اس مومن فاسق کے لئے کیا حکم ہے جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کرکے اس کے کاسۂ سر میں شراب ڈال کر پیئے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے، آیا وہ مومن ہے یا کافر؟" ۔ علماء میں سے ہر ایک نے اس کے حق میں غلط فیصلہ کیا اور اصل معاملہ سے دور چلے گئے۔ امام اعظمؒ نے اسی اثنا میں فرمایا کہ "وہ مومن ہے اور ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا"۔ امام صاحبؒ کی یہ بات علماء کو بہت گراں گذری، اور انھوں نے (امام صاحبؒ کے حق میں) طعن و تشنیع کی زبان درازی کی۔ آخر چونکہ امام صاحب کی بات برحق تھی سب نے (بحث و مباحثہ کے بعد) اس کو قبول کرلیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔

عقیدہ ۱۸: (عقیدہ ۱۸) اگر کسی گنہگار مؤمن کو موت کے غرغرہ (حالتِ نزع) سے پہلے پہلے توبہ حاصل ہو جائے تو بھی اس کی نجات کی بہت بڑی امید ہے کیونکہ (اس وقت تک) توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ خدائے جل سلطانہٗ کے سپرد ہے اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو بقدرِ گناہ عذاب دے اور آگ سے یا بغیر آگ سزا دے، لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا اور انجام کار اس کے لئے بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں رحمتِ خداوندی جل سلطانہٗ سے محروم ہونا کافروں کے لئے مخصوص ہے، اور جو کوئی ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہے، اگر وہ گناہ کے باعث ابتداء میں رحمتِ خداوندی سے محروم رہا تو آخر میں اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے رحمت میسر ہو جائے گی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے)۔

خلافت و امامت کی بحث: خلافت و امامت کی بحث اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک اگرچہ اصول دین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعہ اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور انھوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے، لہذا مجبوراً علمائے اہلِ حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بحث کو علمِ کلام یعنی عقائد کے ساتھ ملحق کر دیا ہے اور حقیقتِ حال سے آگاہ فرما دیا ہے ——— حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان (خلفاءِ راشدین) کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔

حضرات شیخینؓ کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں ——— شیخ ابو الحسن اشعریؒ جو اہلِ سنت کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی تمام امت پر یقینی ہے۔ دوسرے صحابہ پر شیخین کی افضلیت کا انکار سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی نہیں کرتا ——— حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو ابو بکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا
جس طرح مفتری کو لگائے جاتے ہیں (یعنی اسّی کوڑے) ـــــ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب
غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج واقع ہوا تو میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ "میرے
بعد میرا خلیفہ علیؓ ہو" فرشتوں نے کہا "اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدائے تعالیٰ چاہے وہی ہوگا اور
آپ کے بعد خلیفہ ابو بکرؓ ہیں ـــــ نیز حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر (علیؓ) نے فرمایا کہ پیغمبرِ خدا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک مجھ سے یہ عہد نہیں لے لیا
کہ میری وفات کے بعد خلیفہ ابو بکرؓ ہوں گے اس کے بعد عمرؓ پھر عثمانؓ اور اس کے بعد تو خلیفہ ہوگا
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ـ (ابن شاہین نے السنۃ میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابو العباس ولید بن احمد نے کتاب شجرۃ العقل میں [illegible])

اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں ـــــ

اور علمائے اہلِ سنت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر
فضیلت دیتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت
عائشہؓ کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ
علم و اجتہاد میں پیش پیش ہیں اور حضرت فاطمہؓ زہد و تقویٰ اور انقطاع (مخلوق سے علیحدگی) میں
پیش رو ہیں اسی لئے حضرت فاطمہؓ کو "بتول" کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور حضرت
عائشہؓ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ اور اصحاب پیغمبر
علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی کوئی علمی مشکل ایسی نہ تھی جس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس نہ ہو۔

وہ جنگ و جدال اور جھگڑے جو اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے ہیں
مثلاً جنگِ جمل، جنگِ صفین، ان کو اچھے معانی اور نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے اور ہوا و تعصب
سے دور سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات
کی صحبت میں رہ کر ہوا و ہوس اور تعصب سے پاک اور حرص و کینے سے بالکل صاف
صلح کرتے تھے تو حق کے لئے اور اگر لڑائی جھگڑا کرتے تھے تو وہ بھی حق کے لئے
اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرتا تھا اور خواہشات و تعصب کے شائبہ

مدافعت کرتے تھے۔ ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد میں مصیب (راستی پر) تھا اس نے دو درجے بلکہ ایک قول کے مطابق دس درجے ثواب پایا، اور جو مخطی (خطا پر) تھا اس کو بھی ایک درجہ ثواب حاصل ہوا۔ پس مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دُور ہے بلکہ درجاتِ ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کی امید رکھتا ہے ——— علماء نے فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جانب تھا اور مخالفوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی لیکن اس کے باوجود ان پر طعن نہیں کیا جا سکتا اور ان پر ملامت کی بھی کوئی گنجائش نہیں چہ جائے کہ ان کی طرف کفر و فسق کی نسبت کی جائے ——— حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی، وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر و فسق کو روکتی ہے ——— ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ[1] (جو اختلافات میرے اصحاب کے درمیان ہوں تم ان سے بچتے رہو) ——— پس پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہیئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہیئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی مصلحت سے بہتر جاننا چاہیئے، فلاح و نجات کا صرف یہی طریقہ ہے۔ کیونکہ اصحابِ کرامؓ کی دوستی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث ہے اور ان سے بغض رکھنا پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دشمنی تک لے جاتا ہے ———

ایک بزرگ فرماتے ہیں، مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں جس نے آپ کے اصحاب کی عزت و توقیر نہ کی)۔

(عقیدہ ۱۹) اور علاماتِ قیامت میں سے جن کی خبر مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے دی ہے سب حق ہیں، ان میں کسی قسم کے اختلاف کا کوئی احتمال نہیں، مثلاً ——— خلافِ عادت مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع ہونا ——— ظہورِ حضرت مہدی علیہ الرضوان ——— نزولِ حضرت روح اللہ (عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ——— خروجِ دجال ——— ظہورِ یاجوج ماجوج ——— خروجِ دابۃ الارض ——— اور ایک دھواں جو آسمان سے اُٹھ کر تمام انسانوں کو گھیر لے گا اور لوگوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اس وقت لوگ مضطرب ہو کر (حق تعالیٰ سے) عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب

---

[1] اس موقع پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (بقرہ آیہ ۱۴۱؍۱۳۴) (مرتب)

Marfat.com

اس عذاب کو ہم سے دُور فرما دے کہ ہم ایمان لاتے ہیں ــــ اور آخری علامت آگ ہے جو عدن سے اُٹھے گی ــــ ایک گروہ (مہدویہ) اپنی نادانی کی وجہ سے ایک شخص کے متعلق گمان کرے گا جس نے اہلِ ہند میں سے ہوتے ہوئے "مہدیؑ موعود" ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ وہ مہدی ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے زعم میں کہیں گے کہ وہ مہدی تو گزر چکا ہے اور فوت ہو چکا اور اس کی قبر کا نشان بتائیں گے کہ وہ فرہ میں ہے ــــ (لیکن) وہ صحیح احادیث جو بحدِ شہرت بلکہ معنی کے لحاظ سے حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہیں وہ اس گروہ (مہدویہ) کی تکذیب کرتی ہیں، کیونکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جو علامتیں "مہدیؑ" کی بیان فرمائی ہیں وہ علامات ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں ــــ احادیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ "مہدی موعود" جب ظاہر ہوں گے تو ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہوگا اور اس ابر میں ایک فرشتہ ہوگا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اس کی متابعت کرو[1] ــــ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چار آدمی پوری روئے زمین کے مالک (بادشاہ) ہوئے ہیں ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں: ذوالقرنین اور سلیمانؑ مومنوں میں سے تھے اور نمرود اور بختِ نصر کافروں میں سے، اور اس زمین کا پانچواں مالک میری اہلِ بیت میں سے ہوگا یعنی مہدی[2] ــــ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ خدائے تعالیٰ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کو پیدا نہ فرمائے کہ اس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام کے موافق ہوگا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی[3] ــــ اور حدیث میں وارد ہے کہ اصحابِ کہف حضرت مہدی کے معاونین میں سے ہوں گے ــــ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان (مہدی) کے زمانے میں نزول فرمائیں گے اور وہ (مہدی) دجال کے قتل کرنے میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کریں گے[4] ــــ اور ان (مہدی) کی سلطنت کے ظہور کے زمانے میں زمانے کی عادت کے برخلاف اور نجومیوں کے حساب کے بھی برخلاف چودہ ماہِ رمضان کو سورج گرہن ہوگا اور اسی ماہ کے شروع میں چاند گرہن ہوگا۔

اب انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ یہ علامات جو بیان کی گئی ہیں اس فوت شدہ شخص

---

[1] اس کو ابو نعیم نے ابن عمرؓ سے روایت کیا۔ [2] ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا (رشید)

[3] ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا۔ [4] حافظ ابن حجر اور سیوطی نے حاشیہ میں ابن ماجہ سے نقل کیا (رشید)

Marfat.com

(سید محمد جونپوری اور غلام احمد قادیانی) میں موجود ہیں یا نہیں ——— (ان کے علاوہ) اور بھی بہت سی علامات ہیں جو مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہیں ——— شیخ ابن حجرؒ نے "علامات مہدیٔ منتظر" کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دو سو کے قریب علامات بیان کی گئی ہیں ——— بڑی نادانی اور جہالت کی بات ہے کہ مہدی موعود کا معاملہ اتنا واضح ہونے کے باوجود ایک گروہ گمراہی میں مبتلا ہے۔ هَدٰهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِلٰی سَوَاءِ الصِّرَاطِ (اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے)۔

پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے[۱] وہ سب ناری (دوزخی) ہیں مگر ان میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا، اور عنقریب میری امت بھی تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ بھی سوائے ایک "فرقہ ناجیہ" کے باقی سب ناری ہوں گے (صحابہؓ نے) دریافت کیا کہ وہ فرقہ ناجیہ کون لوگ ہیں؟ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوں گے" اور وہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت ہے جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم جانتے ہیں اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کی پیروی کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُعْتَقَدَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَاَمِتْنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَهُمْ (اے اللہ! تو ہم کو اہلِ سنت وجماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم رکھ اور ہم کو ان کے زمرے میں موت دے اور ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر کرنا)۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت۸) (اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب میں کجی پیدا نہ کرنا اور ہم کو اپنی رحمت سے نواز، بیشک تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے)۔

عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے پرہیز کرنا بھی بہت ضروری ہے جن کا عمل سے تعلق ہے ان سے چارہ نہیں ہے: ——— پانچوں وقت نماز کو سستی و کاہلی کے بغیر تعدیلِ ارکان کے ساتھ باجماعت ادا کرنا چاہئے، کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق ظاہر کرنے والی صرف نماز ہی ہے، جب مسنون طریقے پر نماز ادا کرنا میسر ہو جائے تو سمجھو کہ اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آگئی، کیونکہ اسلام کے پنجگانہ اصول میں سے دوسری اصل نماز ہے ——— اصلِ اول: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے ———

(ارکانِ خمسہ اسلام)

[۱] اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔ (تشبید)

Marfat.com

اصل دوم نماز ہے ــــ اصل سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے ــــ اصل چہارم ماہِ رمضان کے روزے ــــ اصل پنجم حج بیت اللہ ہے ــــ اصل اول کا تعلق ایمان سے ہے، باقی چار اصول اعمال سے متعلق ہیں (ان میں) تمام عبادتوں کی جامع ترین اور افضل ترین (عبادت) نماز ہے۔ قیامت کے دن حساب کی ابتدا نماز ہی سے ہوگی اگر نماز درست ہوئی تو باقی دوسری باتوں کا محاسبہ بھی اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی عنایت سے آسانی سے گذر جائے گا۔ جہاں تک ہو سکے شرعی ممنوعات سے بچنا چاہئے۔ مولیٰ جل شانہٗ کی نامرضیات کو زہر قاتل سمجھنا چاہئے، اپنے قصوروں کے مواد کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہئے، اپنی کارگذاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہئے اور ندامت و حسرت اٹھانی چاہئے کہ بندگی کا طریقہ یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

اور جو شخص بے تحاشہ کھلم کھلا مولیٰ جل شانہٗ کی ناپسندیدہ امور کا مرتکب ہو اور اپنے اس فعل سے ذرا بھی شرمساری اور خجالت محسوس نہ کرے وہ شخص متکبر اور سرکش ہے، اس کا یہ اصرار و سرکشی ممکن ہے کہ اس کے سر کو اسلام کے حلقہ سے باہر نکال دے اور وہ دشمنوں کے دائرہ میں داخل ہو جائے: رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت) (اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر)۔

بادشاہ وقت سے متعلق اصلاح

وہ دولت کہ جس کے ساتھ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے دوسرے لوگ اس سے بے خبر ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اس کو محسوس نہ کریں، وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت (جہانگیر) جو سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے اور اہل سنت سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے۔ اگرچہ چند سال ہوتے ہیں کہ اس زمانے میں جو کہ قرب قیامت کا وقت ہے اور عہدِ نبوت سے بُعد کا زمانہ ہے، بعض طالب علموں نے اپنی طبع کی کم بختی اور ذلت سے جو کہ ان کے باطن کی خباثت کا نتیجہ ہے، شاہی امراء کے ساتھ تقرب حاصل کر کے خوشامدی بن گئے ہیں اور دینِ متین میں تشکیکات و اعتراضات کئے ہیں اور شبہات پیدا کر کے سادہ لوح لوگوں کو دین سے ہٹا رہے ہیں ــــ ایسا عظیم الشان بادشاہ جو آپ کی باتوں کو اچھی طرح سُن لیتا اور قبول بھی کر لیتا ہے تو یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمہ حق یعنی اسلام کی باتوں کو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اعتقادات کے موافق اس کے گوش گذار کر دیں، اور جہاں تک ممکن ہو سکے اہلِ حق کی باتوں کو (بادشاہ کے سامنے) پیش کریں بلکہ ہمیشہ

اور جستجو میں رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو کی جائے تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار ہو سکے اور کفر و کافری کے بطلان و برائی کا بیان بھی کیا جائے۔ کفر خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عقل اس کو پسند نہیں کرتا۔ بے خوف اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہیئے اور بلا توقف ان کے معبودانِ باطل کی نفی کرنی چاہیئے ـــــ معبودِ برحق جل شانہٗ بلا تردد اور بے شبہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ ان کے معبودانِ باطل نے ایک مچھر بھی پیدا کیا ہو، اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں (تو بھی مچھر کو پیدا نہ کر سکیں گے)۔ اور اگر مچھر ان کو ڈنک مارے اور تکلیف پہنچائے تو بھی وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے پھر دوسروں کو کس طرح بچا سکتے ہیں۔ گویا کافر اس امر کی برائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود، حق جل وعلا سے ہماری سفارش کرنے والے ہوں گے اور ہم کو خدائے جل شانہٗ کے نزدیک کر دیں گے (یعنی مقرب بنا دیں گے) ـــــ ـــــ یہ لوگ بے عقل ہیں انھوں نے کیسے جان لیا کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہو گی اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمنوں کے پوجنے والوں کے حق میں قبول کرے گا۔ ان کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کہ باغی لوگ بادشاہ کے خلاف بغاوت کریں اور چند بے وقوف اس خیالِ فاسد سے ان باغیوں کی مدد کریں کہ یہ باغی ضرورت کے وقت بادشاہ کی جناب میں ہماری سفارش کریں گے، اور ان باغیوں کے ذریعے ہم بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیں گے ـــــ یہ عجیب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی سفارش سے بادشاہ سے معافی مانگیں اور اس کا تقرب حاصل کریں ـــــ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہلِ قرب و اہلِ حق سے ہو جائیں اور امن و امان میں آجائیں ـــــ یہ بے عقل لوگ ایک پتھر کو لے کر خود اپنے ہاتھ سے تراشتے ہیں پھر سالہا سال اس کی پرستش کرتے ہیں اور پھر اسی سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کافروں کا دین ظاہر البطلان (کھلم کھلا باطل) ہے اور مسلمانوں میں سے جو کوئی راہِ حق اور طریقِ مستقیم سے دور ہو گیا وہ اہلِ ہوا کا بندہ اور بدعتی ہے۔ اور طریقِ مستقیم صرف وہ ہے جو آں حضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفائے راشدین علیہم وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا طریقہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب "غنیہ" میں فرماتے ہیں: "بدعتی لوگوں کے گروہ جن کے اصول یہ نو گروہ ہیں: خوارج[1]، شیعہ[2]، معتزلہ[3]، مرجیہ[4]، مشبہ[5]، جہمیہ[6]، ضراریہ[7]، نجاریہ[8] اور کلامیہ[9]، یہ لوگ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہیں تھے اور حضرت ابوبکر و عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کے زمانے میں بھی نہیں تھے۔ ان گروہوں کا اختلاف اور فرقہ بندی صحابہ، تابعین اور فقہائے سبعہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی وفات سے سالہا سال بعد واقع ہوئی ہے ـــــــ اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہٰذا تم میری سنت کو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو (اپنے اوپر) لازم جانو اور اس کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑو اور (دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جو کچھ میرے بعد (دین میں) پیدا ہوگا وہ مردود ہے[2] ـــــــ ـــــــ لہٰذا وہ مذہب جو آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانے اور خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد پیدا ہو وہ اعتبار کے مقام سے ساقط ہے اور اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کا شکر بجا لانا چاہیے کہ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے) محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ میں پیدا فرمایا جو اہلِ سنت وجماعت ہیں۔ اور ہم کو اہلِ ہوا و بدعت والے فرقہ میں سے نہیں بنایا اور ان کے فاسد اعتقادات میں مبتلا نہیں کیا، اور اس جماعت (معتزلہ) میں سے بھی نہیں بنایا جو بندہ کو مولیٰ جل شانہٗ کی خاص صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں اور بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور رویتِ اخروی کے منکر ہیں جو دینی و اخروی دولت کا سرمایہ ہے۔ اور وہ واجب تعالیٰ سے وجودِ صفاتِ کاملہ کی نفی کرتے ہیں ـــــــ نیز ان دو گروہوں (خوارج و روافض) میں سے بھی نہیں بنایا جو اصحابِ کرام کو جو خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو ملا دیتے ہیں اور اکابرِ دین کے ساتھ سوءِ ظن رکھتے ہیں، اور ان کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن تصور کرتے ہیں اور ان پر مخفی بغض و کینہ کی تہمت لگاتے ہیں، (حالانکہ) حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان بزرگوں (اصحابِ کرام) کے حق میں رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (فتح آیہ ۲۹) (آپس میں بہت رحم دل ہیں) فرماتا ہے (یعنی) یہ دونوں گروہ حق جل وعلا کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے درمیان عداوت، بغض اور کینہ ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے اور صراطِ مستقیم دکھائے ـــــــ اور (حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے) اس گروہ میں سے بھی نہیں بنایا جو حق سبحانہٗ

(حاشیہ: یہ فرقہ بندی خلافت سے سالہا سال بعد کی چیز ہے)

[1] فقہائے سبعہ سے مراد یہ ہیں: سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ابوبکر بن عبدالرحمان، خارجہ بن زید، سالم، عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر، سلیمان بن یسار۔ [2] رواہ ابن ماجہ و مسلم۔

Marfat.com

کے لئے جہت ومکان کا اثبات کرتے ہیں اور اس کو جسم وجسمانی خیال کرتے ہیں اور واجب قدیم جل سلطانہٗ میں حدوث وامکان کی علامات ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ کی حیثیت روح کی مانند ہے اور باقی تمام انسان جسم کی طرح ہیں، اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے، اگر روح فاسد ہے تو سارا بدن بھی فاسد ہوجاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بلحاظ وقت جس طرح ہوسکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے اور کلمۂ اسلام کے بعد اہل سنت وجماعت کے معتقدات جب بھی موقع ملے بادشاہ کے گوش گذار کرنا ضروری ہیں نیز مخالف مذہب کی تردید بھی کرنی چاہئے ـــــ اگر یہ دولت میسر ہوجائے تو گویا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثتِ عظمیٰ ہاتھ آگئی، اور آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے، زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے اتنا ہی کافی ہے۔ واللّٰہ سبحانہٗ الموفق (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

ہماری دیگر مطبوعات

۱۔ ماہِ شعبان اور شبِ برات

۲۔ ماہِ حج کی برکات

۳۔ استغفار اور دعائے سلامتی

۴۔ اطاعت واتباع

۵۔ قربانی کے فضائل ومسائل

زیرِ طبع

۱۔ اذکار معصومیہ' از خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ از: مولانا نور الحسن تنویر صاحب

۲۔ ہدایۃ الطالبین (فارسی۔ اردو)

از: شاہ ابو سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ